تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۳ | ۲۵ اگست ۱۹۸۶ء مطابق ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ | شمارہ نمبر ۲۰

نگران اعلیٰ

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

خط و کتابت کا پتہ:

نیجر "تعمیر حیات"

پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ۔ انڈیا۔

زرِ تعاون

سالانہ	:	چھتیس روپے
ششماہی	:	بیس روپے
فی پرچہ	:	ایک روپیہ پچاس پیسے

بیرونِ ملک

بحری ڈاک، ہجلہ ڈاک : ۱ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک	:	۲۰ ڈالر
افریقی ممالک	:	۲۰ ڈالر
یورپ و امریکہ	:	۲۰ ڈالر

نوٹ

چیک، ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت دفتر لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپکا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ تیس روپے ارسال فرمایئے یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں

اداریہ

شمس الحق ندوی

انسانیت کو زندہ کیجئے

جب ہم بدیسیوں کے محکوم تھے تو بہت ذلیل و رسوا تھے، بدیسی ہم کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، حقیر و بے وقوف سمجھتے تھے، ہمارے ساتھ ہر طرح کا توہین آمیز سلوک روا رکھتے تھے، جب ان کو یہ خیال ہوتا کہ یہ ہندوستانی اگر متحد ہو کر ہمارے خلاف ہو گئے تو پھر ہمارا بستر گول ہو جائے گا، اس وسیع و شاداب ملک سے نکل کر پھر اپنے ملک کے تنگ دائرہ میں پہنچ جائیں گے اور وہی اپنا نائی دھوبی کا کام کریں گے[1]، لہٰذا وہ ہم کو آپس میں لڑانے کی اسکیم تیار کرتے اور لڑاتے رہتے اور خود قاضی اور منصف بن جاتے، انہوں نے ہم کو خوب لڑایا، خوب مارا، خون خرابہ کیا، ہماری عورتوں کی عزت لوٹی، جوانوں کو موت کی نیند سلایا، اس لئے کہ وہ انسان نما درندہ تھے، اپنی درندگی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے انہوں نے ایسی تاریخ وضع کی جس میں انسانیت کا پیام سنانے والوں کو درندہ ثابت کیا گیا۔

وہ اپنی اس چال میں کامیاب رہے نہ صرف یہ کہ وہ یہاں کے باشندوں کو لڑاتے اور حکومت کرتے رہے بلکہ انہوں نے ہمارے اندر سے محبت و یگانگت کو ختم کرنے کے لئے ایسا نظام تعلیم بھی جاری کیا جس میں محبت و انسانیت کا شائبہ تک نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم آپس ہی میں ایک دوسرے کا خون بھی بہاتے رہے، ذہنی و فکری لحاظ سے بھی دنائت و پستی کے گہرے غار میں گرتے چلے گئے، مسلسل سو سال تک پٹتے رہنے کے بعد ہم میں کچھ ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے ہم وطنوں کو بیدار کر کے آزادی کی جنگ شروع کی، جنگ نے طول پکڑا، بہت قربانیاں دینی پڑیں، جیلیں بھریں، تختہ دار پر بھی چڑھے - اور بہتوں کے تو گھروں تک کو گرا کر ان پر ہل چلوا دیا گیا، مگر اہل ہند کی غیرت جاگ اٹھی تھی، اس لئے اب کوئی طاقت ان کو دبا نہیں سکتی تھی، بالآخر یہ قربانیاں رنگ لائیں اور بدیسیوں کو ملک چھوڑ کر چلے جاتے ہی بنی مگر وہ نہایت ہی مکار تھے جاتے جاتے بھی وہ ہم پر ایسا وار کر گئے کہ اس کی ٹیس سے ہم آج تک تلملا رہے ہیں اور زخم ہے کہ کسی طرح مندمل ہوتا نظر نہیں آتا۔ وہ وار تھا ملک کو ہندوستان و پاکستان کے نام سے دو حصوں میں تقسیم کر دینا، اتنا تو سب لوگ جانتے ہیں کہنے والے کہتے اور لکھنے والے لکھتے ہیں اور یہ کہانی پندرہ اگست کی تمام ملکی تقریبات اور اخبارات میں ضرور ہی دہرائی جاتی ہے لیکن سب سے بڑا نقصان جو وہ ہمیں پہنچا گئے اس کو کم ہی لوگ محسوس کرتے ہیں حالانکہ یہ وہی نہ مندمل ہونے والا زخم ہے جس سے مسلسل خون بہ رہا ہے اور جو ہمیں کسی طرح چین و قرار نہیں لینے دیتا، اور وہ ہے گمراہ کن تعلیمات اور اپنی تہذیب کے ذریعہ ہمارے اندر سے محبت و انسانیت کا نکال دینا، چنانچہ ان کے عہد حکومت سے ہم ہندو مسلم اور مندر و مسجد کے نام پر برابر لڑتے رہے اور ان کے جانے کے بعد اس سے کہیں زیادہ خون بہایا جا چکا ہے، پہلے یہ بات بڑی حد تک مسلمانوں ہی تک محدود تھی جن کو وہ اصل فریق بنا گئے تھے، کچھ اہل نظر اور دردمند حضرات نے برادران وطن کو مطمئن کرنے سمجھانے بجھانے کی پوری کوشش کی، انسانیت کا سبق پڑھایا مگر چونکہ ان کے جادو سے انسانیت گہری نیند سو چکی تھی، اس لئے یہ آوازیں صدا بہ صحرا ثابت ہوئیں اس کا یہ نتیجہ ہونا ہی چاہئے تھا کہ مظلوموں کی آہ دلوں کو مردہ بناتی جائے اور رہی سہی محبت و انسانیت کو ختم کرتی جائے اور اس حال تک پہنچا دے کہ مختلف ذات و برادریوں کے نام جھگڑے شروع ہو جائیں زبان و علاقائیت کے نام پر انسانی خون بہایا جائے۔ اور پھر اس سے

[1] بعض اہل نظر نے بتایا کہ انگریزوں کا جو طبقہ یہاں کام کرتا تھا، اس کے اکثر افراد نچلے اور پیشہ ور طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

از مولانا واضح رشید ندوی • ترجمہ: شکیل الرحمٰن بیتابی

اگر کوئی محقق دنیا بھر میں پیش آنے والے واقعات و انقلابات اور ان کے پس پردہ مغرب کے موقف اور سیاست کے متعلق حقائق و معلومات جمع کرنے کی زحمت گوارہ کرے تو وہ اسی نتیجہ پر پہونچے گا کہ دنیا میں بسنے والی قوموں کے ساتھ اہل مغرب کے برتاؤ میں عام طور پر سامراجی دواعی و محرکات کار فرما ہیں، لیکن اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا رویہ تاریخی عناد، مذہبی عصبیت اور قومی تنگ نظری پر مبنی ہے۔ چنانچہ وہ اسلام کی تمام خوبیوں اور عالم اسلام کے روشن پہلوؤں کا ہمیشہ انکار کرتا ہے اور اس کو صرف خامیاں اور برائیاں عالم اسلام میں ہی نظر آتی ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ اپنے خوف و ہراس اور سراسیمگی کا اظہار کرتا ہے، اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عالم اسلام کو باقاعدہ جنگ میں شکست نہیں دی جا سکتی لہٰذا مسلمانوں کو مختلف مسائل جھگڑوں اور قضیوں میں الجھا رہنا چاہیئے۔ اور اس کے گلے میں طوق و سلاسل پڑے رہنے چاہئیں۔

اسلامی سوسائٹی سے اختلاط و قرب اور طویل صدیاں گزر جانے کے بعد بھی عالم اسلام کے حالات کا جائزہ لینے اور اسلام کے بارے میں تصور قائم کرنے میں یورپ میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور اہل مغرب کا انکاری مزاج اور اسلام سے نفسیاتی خوف کی پالیسی پر عمل مسلسل جاری ہے۔

یہ منکرانہ مزاج ذرائع ابلاغ کے رویہ سے ہر وقت جھلکتا ہے، عالم اسلام میں پیش آنے والے ہر واقعہ کے اندر اور مسلمانوں کے موقف میں (خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو) یہ وسائل ابلاغ شر کا پہلو تلاش کرتے ہیں اگر غلط فہمی کی وجہ سے دو مسلم ممالک کے درمیان اراضی جھگڑا ہو جائے (جیسا کہ قطر اور بحرین کے مابین ہوا اور پھر ایک اسلامی ملک کی نیک کوششوں سے معاملہ رفع دفع ہو گیا) تو یہ ذرائع ابلاغ مسلمانوں پر فوراً ہی یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ جنگجو اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں، اسلام میں اتحاد و اجتماعیت کا فقدان ہے، قرآن خونریزی کی تعلیم دیتا ہے ـــــ لیکن جب اتحاد کی بات چلتی ہے، اور دو مسلم ممالک متفق ہو جاتے ہیں اور اسلامی حکومتوں کے درمیان متحد ہونے اور بہتر تعلقات قائم کرنے کی آواز اٹھائی جاتی ہے تو ان کے ذرائع ابلاغ اس موقع پر بھی خاموش نہیں رہتے بلکہ ان کوششوں اور نعمتوں پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اسی اتحاد کو قدامت پرستی و تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں، اسی لیے کہ وہ دو یا اس سے زائد مسلم ممالک کے درمیان ہو رہا ہے، ان کی نظر میں اسلام کے نام پر اتحاد و اجتماع رجعت پسندی اور پستی کی علامت ہے۔

یہ ذرائع ابلاغ اپنی اسلام دشمنی کو نہیں چھپاتے، بلکہ ساری دنیا کو اسلام کے خلاف محاذ آرائی پر آمادہ کرتے ہیں اس لیے کہ وہ مغربی تمدن پر خطرہ محسوس کرتے ہیں ـــ اور مغربی مصنفین کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو انسانی تمدن کے لیے مثالی اور آئیڈیل تصور کرتے ہیں، تو ان کو خطرہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام اس تہذیب کو نیست و نابود کر دیگا جس نے انسانوں کے لیے مہلک ہتھیار ایجاد کیا، دوسرے ملکوں اور قوموں کو اپنا غلام بنایا، گورے کالے میں تفریق کے بیج بوئے، دنیا کے سامنے وہ میدان کارزار گرم رکھا جس نے کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا، اس نے ایسے اسلحے ایجاد کیے جو انسانیت کی ہلاکت و تباہی کے لیے کافی ہیں، کمزور و ناتواں قبائل کو اپنے مذہب و فلسفہ اور نظام حیات کو قبول کرنے پر مجبور کیا۔

اسلامی تعلیمات کے متعلق یورپ کا نظریہ یہ ہے کہ وہ "آؤٹ آف ڈیٹ" اور منسوخ شدہ ہے، جیسا کہ تہذیب و ثقافت، سیاست و مدنیت اور اقتصادیات و معیشت کے سلسلے میں اس کا رجحان ہے۔ اسی وجہ سے اس نے اس کے من گھڑت ہونے کا دعویٰ کیا ہے، لیکن وہ علم و تہذیب کے بارے میں سامراجی موقف پر ہے، اس نے تمام علوم کو مع اس کے افکار و فلسفہ کے مادی رنگ میں رنگ دیا ہے، جس بنا پر علم سے نفع رسانی اور افادۂ عام کا عنصر ناپید ہو گیا ہے۔ اور علم کے پھیل جانے کے باوجود انسانیت کو حقیقی فائدہ نہیں پہونچ رہا ہے اس لیے کہ موجودہ تعلیم نے افراد و سوسائٹی کو غیر انسانی مزاج اور قومی امتیازات و خصوصیات سے کنارہ کشی کی بنیاد پر جنم دیا ہے، اور تاریخ تمام علوم میں سب سے مضر علم بن گئی ہے ان مؤرخین کی بوقلمونی کی وجہ سے جنہوں نے حوادث و واقعات کو ایک خاص تصور کے مطابق جوڑ کر تاریخ مرتب کر دی ہے، اور اس میں اپنی طرف سے کتر و بیونت کی ہے اور ایسی تاویلات کی ہیں جو تاریخ کی تشریح سے مختلف اور ان کے نظریہ کے موافق ہیں۔

اہل مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کی

تصویر نہایت بھیانک بنا کر پیش کی ہے، اشخاص کی ذاتی اور انفرادی کوتاہیوں، کمزوریوں اور لغزشوں نیز ادھر ادھر کے معمولی واقعات (جو ہر سماج میں پیش آتے ہی رہتے ہیں) کو جمع کر کے مسلمانوں کی تاریخ مرتب کر دی ہے حالانکہ یہ واقعات آج کل سب سے زیادہ یورپ ہی میں رونما ہو رہے ہیں۔ مگر مغرب زدہ مصنفین ان پر کان بھی نہیں دھرتے۔ اور ان کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے، لیکن اسلامی تاریخ کے لیے ان کو قاعدۂ کلیہ اور بنیادی عنصر قرار دیتے ہیں۔ اس طرح مغربی مصنفین نے ساری تاریخ کو مسخ کرنے اور تمام قوموں خاص کر مسلمانوں کے امتیازات و خصوصیات کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھا لیا ہے اور اس مسخ شدہ تاریخ سے مختلف قوموں میں خلیجیں قائم کر دی ہیں۔

آج اسلام دشمنی کا جنون اور تمام یورپی طاقتوں کا اتحاد اسلام کا شیرازہ بکھیرنے کے لیے ہے، اور عیسائیت و اشتراکیت والحاد و دہریت پر اس کی نظر ہے۔ اور یورپی ممالک کا جنون اسلام دشمنی کے لیے اس قدیم عہد میں بھی رہا ہے جبکہ صلیبی جنگیں ہوئیں اور مسلمانوں کا خون بہایا گیا، مغربی ممالک اسلام کے علمی و فکری ذخائر پر قابض ہوئے، لیکن مصنفین کی نظر میں دینی جنون اور انتقامی جذبہ میں کوئی کمی نہیں آئی، کلمۂ جہاد اب بھی سارے یورپ کو لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ اگر اسلام کے احیاء کی کہیں سے کوئی اطلاع ملتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی تیز و تند آندھی ہے جس سے سارے یورپ میں زلزلہ آجائے گا، گرچہ جہاد کی تحریک چند کمزور لوگوں کی جانب سے اٹھے۔ جن کی پشت پر کوئی طاقت اور جنگ و جدال کے وسائل و ذرائع بھی مہیا نہوں اور وہ خود اپنی حکومتوں کے ہدف بنے ہوئے ہوں لیکن یہ نحیف و پست آواز سارے یورپ میں تہلکا مچا دیتی ہے اور رسائل و اخبارات اور ریڈیو و ٹی وی ان معدودے چند اشخاص کی ہمت و جوانمردی کے متعلق محیر العقول بیانات شائع کرتے ہیں، اور حکومتوں کو اکسایا جاتا ہے کہ وہ فی الفور اندرون ملک کی تعمیر و ترقی کے پلاننگ کو بالائے طاق رکھ کر اپنی ساری توجہ اس تحریک کے نیست و نابود کرنے پر مرکوز کر دیں۔ اور مقدس دینی کتابوں پر چھاپے ماریں، مدارس میں تالے ڈال دیں اور مساجد پر پہرہ بٹھا دیں، اور ان ہی کارروائیوں کو ترقی اور آزادی کے تحفظ کا نام دیا جاتا ہے۔

مسیحی راہبات جو بلاد اسلامیہ میں پھیلی ہوئی ہیں اور ڈھیلے ڈھالے سیاہ کپڑوں میں ملبوس عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اپنی زندگی کی راحتوں کو تج دیتی ہیں اور اسی طرح مسیحی راہب دین مسیح کی تبلیغ کے لیے زندگی وقف کر دیتے ہیں اور خلوت و گوشہ نشینی کی زندگی گذارتے ہیں، لیکن متمدن عقلیں ان کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں کہتیں۔ اور نہ عورتوں کے ساتھ بد معاملگی، اسی طرح ہپیز اور موجودہ تہذیب کی آڑ لیکر ننگے رہنے والے اور جنسی میں مبتلا نوجوان ان کے لیے بالکل فکر کے قابل نہیں جو اپنے ملکوں کو چھوڑ کر سکون حاصل کرنے مشرق میں پناہ اختیار کر رہے ہیں اور نشہ آور چیزوں کی عادت ڈال رہے ہیں ـــ لیکن ـــ مسلمانوں کا مساجد تک آنا جانا، پردہ کا اہتمام مسلمانوں کی ڈاڑھیاں ان کے لیے پریشان کن ثابت ہو رہی ہیں، اور ان کی نگاہ میں یہ چیزیں تہذیب کے منافی ہیں، چنانچہ وہ مسلم ممالک کو ڈاڑھی کا رواج ختم کرنے پر آمادہ کرتے ہیں، اور جب کسی رائٹر یا نامہ نگار کی نظر کسی پردہ نشین خاتون پر پڑتی ہے تو وہ اس منظر سے مبہوت ہو جاتا ہے۔ اور ایسا خوفزدہ ہوتا ہے جیسے کوئی بچہ بھوت سے خوفزدہ ہو۔ لیکن دسیوں بلکہ سیکڑوں سیاہ لباس پہنے راہبات اور ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس پادریوں کو دیکھکر ذرا بھی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔

یہی وہ ذہنیت ہے جو بغض، کینہ، حسد، ناگواری اور تنگ نظری پر دلالت کرتی ہے اور ان ذہنوں پر مستولی ہے جو حریت اور وسعت ظرفی کے دعویدار ہیں، اور سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مغربی مفکرین و دانشور اس نفاق اور تضاد کو محسوس نہیں کرتے اس لیے کہ ان کی نگاہوں پر عصبیت چھائی ہوئی ہے۔

چند مغربی مصنفین و فلاسفہ جو اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ لوگ دھوکہ میں تھے اس لیے کہ جو کتابیں اسلام کے متعلق لکھی گئی ہیں وہ اس سلسلہ میں بے انتہا غلط نظریہ رکھتی تھیں، اور مغربی ذرائع ابلاغ نے عالم اسلام کو گمراہ کن تصور کیا تھا۔ لیکن مسلمانوں سے اختلاط اور اسلام کے اصل سرچشموں کے مطالعہ کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام ہی تمام مذاہب عالم میں سب سے بہتر مذہب ہے۔ اور مسلمانوں ہی کی زندگی (مصائب و آلام سے دوچار ہونے کے باوجود) خوش بخت زندگی ہے۔ اس لیے کہ ان کے اندر تعاون و تناصر کا جذبہ، مؤاخاۃ کی اسپرٹ اور اپنی ذمہ داری کا احساس پایا جاتا ہے، وہ ایک متحد اور متناصر امت ہے، اسی وجہ سے ان مصنفین نے مغربی تہذیب و زندگانی پر سخت تنقید کی ہے۔ اور بعض مفکرین نے صراحۃً کہا کہ "مغربی تہذیب بتدریج انسانیت کو فنائیت کے گھاٹ اتارتی ہے" ایک مغربی مسلم مفکر جارودی نے کہا ہے کہ "مغربی تہذیب کی روش اور روئے زمین پر حیاۃ انسانی کو تہ و بالا کرنے کی کوشش اور تین ملین سالہ تاریخ انسانی کی بنیاد پر ہم کسی حال میں بھی اس کو ترقی کا نام دینے کو تیار نہیں" ایک دوسرے موقع پر وہ کہتا ہے کہ "مغربی تہذیب ہمیں ایک مسدود راستہ کی طرف لے جاتی ہے۔ اگر ہم نے بھی اس رفتار کو اپنا لیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ روئے زمین پر بسنے والے خودکشی کر لیں، کیونکہ اسی کی بنیاد میں سے ہے کہ "علم و حکمت کے درمیان یعنی مقاصد و ذرائع کے درمیان تفریق تمام حقائق کو غلط مفہوم کی طرف پھیر لیتا ہے" اسی طرح موریس بکائی کی تحقیقات یورپ کے گمراہ کن پروپگنڈہ

(بقیہ ـــ پر)

بھی آگے بڑھ کر صرف اپنی ذات اور مفاد یاد ہے چاہے پورا ملک ڈوب جائے اس کی کوئی فکر نہ ہو، اب ہمارا ملک بگاڑ کے اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ جگہ جگہ مختلف عنوانوں سے فتنہ وفساد کی آگ بھڑک رہی ہے ملک کا بڑے سے بڑا آدمی اپنے کو غیر محفوظ سمجھ رہا ہے جو لوگ حفاظت کے لئے مقرر ہوتے ہیں وہ تک ناقابل اعتبار ہوتے جارہے ہیں، وجہ وہی ہے کہ جب یہ محافظ کچھ معصوم و بے گناہ، سادے اور بھولے بھالے لوگوں کو مار رہے تھے اور ان کا خون چوس رہے تھے تو ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا گیا، ان کی کوئی تربیت نہیں کی گئی، ان کے دلوں میں کوئی اخلاقی اصول نہیں بٹھایا گیا کہنے والے کہتے رہے کہ یہ کھیل اچھا نہیں ہے یہ درندوں کی حرکتیں ہیں مگر ساری سُنی ان سُنی کردی گئی اور افسوس یہ ہے کہ اب بھی خطرہ انہیں سے محسوس کیا جارہا ہے جن کے آباو اجداد نے اس ملک کو سنوارا اور محبت وبھائی چارگی کا سبق پڑھایا ہے یہاں حق وصداقت کا پرچار کیا ہے، لیا کچھ نہیں دیا بہت کچھ ہے

اب وہ آگ جو کسی خاص طبقہ کے گھر کو جلاتی تھی ہر گھر کو جلا دینے کی تیاری میں ہے، اس سے پہلے کہ ہر گھر میں آگ لگے ہم اپنے حالات کو تبدیل کرلیں اپنے اندر سے کھوئی ہوئی محبت وانسانیت کی دولت کو پھر سے زندہ کرلیں، تاریخ میں ایسا بار بار ہوا ہے کہ مظلوموں پر جب ظلم کی حد نہ رہی تو مظلوموں کو جلانے والی آگ نے ظالموں کو بھی جلا کر رکھ دیا ہے، آسمان والے نے تاریخ میں بار بار اس طرح اپنی بڑائی، قدرت اور بے نیازی ظاہر کیا ہے تاکہ بعد میں آنے والے انسان اس سے سبق لیں،

تاریخ بتاتی ہے کہ یمن کا بادشاہ بڑا ظالم تھا وہ خود کو سارے انسانوں سے برتر سمجھتا تھا حتی کہ خدائی کا دعوا کرتا تھا، اور خدائے برحق کو ماننے والوں کو سخت سزائیں دیتا تھا مگر یہ نقوش بھی بہت روشن و نمایاں طور پر تاریخ میں موجود ہیں کہ خدائے برحق پر ایمان رکھنے والے جان قربان کردیتے ہیں مگر اپنے دین وعقیدہ سے دستبردار نہیں ہوتے، اپنی قدروں پر آنچ نہیں آنے دیتے چاہے خود جل جائیں

چنانچہ جب یمن کے لوگوں نے بادشاہ کے حکم کو ٹھکرا دیا تو اس نے خندقیں کھدوا کر ان میں آگ جلوائی اور اپنے مخالفوں کو اس میں جھونکنا شروع کردیا جلنے والے جلتے رہے اور جلانے والے ان کے جلنے کا تماشا دیکھتے اور لطف اٹھاتے رہے، پھر آگ چاروں طرف پھیل پڑی اور پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، سب کو جلا کر خاک کردیا بادشاہ بھاگا اور آگ سے بچنے کے لئے سمندر میں کود پڑا، ملک جل کر خاک ہوگیا اور بادشاہ ڈوب مرا، قرآن کریم نے اس واقعہ کو مختصراً اس طرح بیان کیا ہے،

قتل اصحاب الاخدود النار ذات
الوقود اذ ھم علیہا قعود وھم علی
ما یفعلون بالمومنین شھود الخ

ہمارے ملک میں جو فضا بنائی گئی اور جو حالات پیدا ہو رہے ہیں، یہ ہر ذی عقل و ہوش کے کان کھڑا کردینے کے لئے بالکل کافی ہیں، ضرورت ہے کہ ہنگامی اور ایمرجنسی کے طور پر لوگوں میں، ملک کے تمام باسیوں میں انسانیت کو بیدار کیا جائے۔ انسانیت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ نہ ہندو ہوتی ہے نہ مسلمان (بلکہ وہ انسانی فطرت و جبلت ہوتی ہے جو ہر انسان میں پائی جاتی ہے) اگر اس کام کی طرف جلد توجہ نہ کی گئی تو ہمارا ملک ایک مرتبہ پھر آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آکر جھسم ہو جائے گا، تاریخ پر نظر رکھنے والے پکار پکار کر کہتے رہے کہ حالات کو تبدیل کیجئے، اپنے اندر بیٹھے ہوئے راکشش کو نکالئے مگر نہیں سنا گیا نہیں مانا گیا، اب وہ اندر کا راکشش نت نئے روپوں سے سامنے آرہا ہے، اور بدامنی وبے اطمینانی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جارہا ہے، اہل ملک کے دلوں سے اس راکشش کو نکالئے اور اس میں محبت وانسانیت اور دوستی وبھائی چارگی کو بٹھانے کی کوشش کیجئے ورنہ ہم اس انجام کو پہنچ جائیں گے جہاں رونے کو آنسو نہ ملیں گے اور ملک کی فضائے بسیط میں یہ آواز گونجے گی۔

فما بکت علیھم السماء والارض..

تو ان (کرتوتوں کے سبب ان مٹائے جانے والوں) پر زمین وآسمان بھی نہ روئے،

بقیہ صـ ٦ کا۔
زبان وادب الخ

ان کی تعزیت کا جلسہ یہاں مسجد میں ہو رہا ہے جس میں علوم دینیہ کے اساتذہ، علماء، طلباء موجود ہیں اور ایک تبلیغی جماعت موجود ہے جو بلاد عربیہ سے آئی ہے، یہ خود ایک فال نیک اور قرینہ ہے اس بات کا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان کے ساتھ مغفرت ورحمت کا ہوگا، اور میں تو ان کا بہت قدرداں ہوں اس لئے کہ میں اس کام کی قدر وقیمت سمجھتا ہوں اور ان کے جذبہ ولگن سے واقف ہوں کہ ان کو کس قدر لگن تھی اور میں نے آپ سے ذرا تفصیل سے اس لئے یہاں کہا کہ آپ کو بھی یہ کام کرنا ہے۔

دیکھئے ہمارے ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا ہے کہ بہت سے اسلامی ملکوں کا رشتہ اسلام سے اس لئے کمزور پڑ گیا کہ علماء نے اس ملک کی زبان وادب میں وہ قائدانہ حصہ نہیں لیا جس کا اثر پڑا کرتا ہے، ترکی کا معاملہ یہی ہے اور کسی حد تک مصر وا ستثنیٰ ہے، لیکن کئی عرب ملکوں کا اور مسلم ممالک کا حال یہ ہے کہ ادب کی قیادت اور زبان وادب میں صدارت کا مقام حاصل کرنے اور رہنمائی کرنے کی طرف علماء نے پوری توجہ نہ دی اور اس کی اتنی اہمیت نہیں سمجھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو نئی نسل تیار ہوئی وہ ان سے ناآشنا تھی، اور اگر ناآشنا نہیں تھی تو غیر متاثر تھی، وہ دینی حیثیت سے تو ان کا احترام کرتی تھی کہ ہاں مسئلہ پوچھنا ہو تو ان کے پاس جانا چاہئے، یہ صالح لوگ ہیں لیکن ان کو وہ مقام دینے کے لئے تیار نہ تھی جو ایک قائد کا مقام ہوتا ہے، رخ دینے والے کا مقام ہوتا ہے، اس میں ہندوستان کا استثناء ہے یہاں کی زبان وادب میں سربراہی شروع سے علماء نے کی ہے، آپ کو معلوم ہے جیسا کہ کہا جاچکا ہے کہ یہاں ایوان ادب کے چار ستون مانے گئے ہیں، خواجہ الطاف حسین حالیؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ مولوی محمد حسین آزاد، اور ڈپٹی نذیر احمد کہا جاسکتا ہے یہ چاروں طبقہ علماء سے تعلق رکھتے تھے ان کی ساری تعلیم مدارس میں ہوئی تھی، چٹائیوں پر ہوئی تھی، پھر اس کے بعد یہ لوگ ادبی میدان میں آئے پھر سید سلیمان ندویؒ جیسی شخصیت پیدا ہوئی کہ جو ایک طرف تو بھوپال کے قاضی القضاۃ تھے اور حیدرآباد کے دینی مشیر تھے اور پاکستان جانے کے بعد وہاں کے دستور بنانے والوں میں ہیں تو دوسری طرف انجمن ترقی اردو کے اور ہندوستانی اکاڈمی کے بار بار صدر ہوتے ہیں اور اردو زبان پر خالص علمی موضوعات پر (ORIGINAL) مجتہدانہ اور محققانہ چیزیں پیش کرتے ہیں کہ جن کو ادب کے ہی نہیں علم وتحقیق کے کتبخانہ میں اونچی سے اونچی جگہ دیجاسکتی ہے اور دی جاتی ہے اور دیجا رہی ہے یہ ایک بڑی دینی خدمت انہوں نے انجام دی لوگ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ذہانت کا یا ادبی قابلیت کا اظہار کیا نہیں! بلکہ انہوں نے خالص دین کی خدمت انجام دی، جب کسی ملت، کسی قوم اور ملک میں رائج زبان اور مقبول اسلوب بیان اور صحافت وتحریر اور ادب وتحقیق اور علوم دینیہ کے درمیان اور علوم دینیہ کے حاملین کے درمیان خلیج واقع ہو جائیگی یا بیچ میں خندق واقع ہو جائیگی تو اس وقت دین اپنی بہت کچھ طاقت کھو دے گا، کم از کم نوجوانوں پر سے کی گرفت چھوٹ جائیگی،

اس لئے ہمیشہ خاص طور پر ہمارے ندوۃ العلماء کے طلباء وفضلا کو کبھی اپنا رشتہ زبان وادب سے ٹوٹنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے کبھی یہ پوزیشن قبول نہیں کرنی چاہئے کہ لوگ ان کو یہ سمجھیں کہ یہ زبان وادب سے ناواقف ہیں اور یہ وہی مولویانہ زبان لکھتے ہیں اور کلامی و فقہی مسائل پر ہی ان کی تحریریں پڑھنے کے قابل ہیں، ادب وزبان کے بارہ میں، زبان کی تاریخ کے بارہ میں، تنقید کے بارہ میں ان کو بولنے کا کوئی حق نہیں ان کی بات میں وزن نہیں۔

یہ میں ایک وصیت کے طور پر آپ سے کہتا ہوں کہ ہمارے ندوۃ العلماء کے مدرسہ فکر کی خصوصیت رہی ہے کہ اس نے ملک کی زبان وادب سے اپنا رابطہ ورشتہ (ٹوٹنا تو بڑی چیز ہے) کمزور نہیں ہونے دیا، دارالمصنفین کے رفقاء کی تحریر اور مولانا عبدالسلام صاحب کی تحریر، آپ دیکھئے اقبال پر بہترین جو چیزیں لکھی گئیں ہیں ان میں اقبال کامل ہے اور شعراء وشاعری کی تاریخ میں اس وقت تک جو چیز کلاسیکل سمجھی جاتی ہے وہ گل رعنا ہے جو ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کی تصنیف ہے اور شعر الہند ہے مولانا عبدالسلام صاحب کی پھر فارسی ادبیات پر اس وقت تک جو چیز سکہ رائج الوقت کی حیثیت رکھتی ہے وہ شعر العجم ہے، شعر العجم پر دس تنقیدیں کی جائیں لیکن شعر العجم کی اہمیت آج تک کم نہیں ہوئی اور مجھے لاہور کے ایک بڑے فاضل نے سنایا کہ تاریخ ادبیات ایران لکھنے والے براؤن نے ایک مرتبہ کہا کہ مجھے اردو زبان پڑھنے کی تمنا کبھی کبھی اسی لئے ہوتی ہے کہ میں شعر العجم سے استفادہ کرسکوں تو یہ خصوصیت اور معیار باقی رہنا چاہئے، ہم ڈاکٹر عبدالرحمن رافت الباشا کا حق سمجھتے ہیں کہ اللہ کے گھر میں بیٹھ کر ایک نماز کے بعد اور دوسری نماز سے پہلے دونوں نمازوں کے درمیان اور خالص دینی علوم کے طلبہ کے سامنے ان کی خدمات کا اعتراف کریں، ان کے لئے دعائے خیر کریں، وہ بڑے اچھے مسلمان، بڑے شریف مسلمان، عالم بڑے صاحب قلم بڑے ادیب اور دین کی خدمت کرنے والے تھے، عرصہ تک ان کی یاد تازہ رہے گی، اور انشاء اللہ ان کے جو نقوش ہیں وہ باقی رہیں گے اور بہت سے لوگوں کی عرصہ تک رہنمائی کریں گے۔

زبان وادب خدمت دین کا موثر ذریعہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عربی زبان کے مشہور ادیب ومصنف اور ادب اسلامی کے داعی ڈاکٹر عبدالرحمن رافت الباشا پروفیسر امام محمد یونیورسٹی ریاض کے انتقال پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں ٢٩ جولائی کو تعزیتی جلسہ ہوا، اس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے تقریر فرمائی، اس میں مولانا نے ادب کی قوت واہمیت اور ادب کو اسلام کی خدمت کے لئے استعمال کرنے پر توجہ دلائی، یہ تقریر ٹیپ کے ذریعہ سید عمیر مرتضیٰ نے مرتب کی، ان کے شکریہ کے ساتھ یہاں شائع کی جارہی ہے۔

حمد وثنا کے بعد!

رفقائے کرام، برادران عزیز!

آپ نے مغرب کے بعد جب اچانک اعلان سنا ہوگا کہ تعزیتی جلسہ ہوگا تو آپ کے ذہن میں یہ بات آئی ہوگی کہ کسی بلند پایہ مسلمان یا کسی بڑی اسلامی سیاسی شخصیت کے انتقال کی خبر آئی ہے اور ان کی تعزیت میں جلسہ ہو رہا ہے یا کوئی بہت بڑے عالم دین جو قرآن وحدیث کی تدریس یا علوم دینیہ کی تدریس میں مشغول تھے اور جامع ازہر اور اس طرح کی باہر کی جامعات یا مدارس میں درس دیتے تھے یا کسی شیخ وقت کا انتقال ہوا ہے اور اس سلسلہ میں جلسہ ہو رہا ہے اور شاید آپ کے لئے یہ بات خلاف توقع ہو کہ ایک استاذ ادب ایک مصنف وادیب، اور ایک محقق ڈاکٹر عبدالرحمن رافت باشا مرحوم کے سلسلہ میں جلسہ ہو رہا ہے، وہ بھی مسجد میں ہو رہا ہے اور علماء وطلباء کی موجودگی میں ہو رہا ہے تو آپ کو شاید ان دونوں باتوں میں کچھ تضاد محسوس ہوا ہو اور شاید اس سے پہلے اس کی مثالیں کم عمل میں آئی ہوں کسی ادیب یا شاعر یا کسی صاحب قلم کے لئے یہاں اتنے بڑے پیمانہ پر جلسہ ہوا ہو، لیکن میں اس میں بالکل کسی قسم کا تضاد نہیں سمجھتا، میری نگاہ میں ادب کی راہ سے دین کی خدمت کرنے والوں کی بہت اہمیت ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک جہاد ہے، نیت کا عالم تو اللہ ہے لیکن آدمی کے طرز تحریر سے، گفتگو سے، اخلاق سے اور خود اس کی زندگی سے اور اس کے جذبات سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی نیت میں اسلام کی خدمت تھی یا کچھ اور؟

ڈاکٹر عبدالرحمن رافت باشا نے جس کام کی ابتدا کی وہ بالکل نیا نہیں تھا، وہ مختلف گوشوں میں مختلف پیمانوں پر ہو رہا ہے لیکن انہوں نے اپنی زندگی اس کے لئے وقف کردی اور اس کو وقت کا بہت بڑا جہاد اور ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھا، ادب کا جو اثر نوجوانوں پر اور اہل فکر پر یہاں تک کہ اہل سیاست پر جو ملکوں میں انقلاب لاتے ہیں اور جو قوموں کو خاص رخ پر ڈال دیتے ہیں ان پر ادب کا جو اثر ہوتا ہے اور ادب جس طرح ان کے ذہن کی تشکیل کرتا ہے اور پھر ان کو موقع دیتا ہے کہ وہ قوموں کے ذہن کی تشکیل کریں، اور پوری پوری قوموں اور نسلوں کو اور ایک ہی نسل نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی ایک خاص رخ پر اس رخ پر جس کو ان کے ذہن نے قبول کرلیا ہے اور جس کے وہ داعی بن گئے ہیں اور جس کے اظہار کے لئے اور اس کو قلب ودماغ میں راسخ کرنے کے لئے ان کے پاس قلم کی طاقت اور زبان کی طاقت موجود ہے وہ اس ایک عظیم الشان تعمیری اور اسی کے ساتھ ایک عظیم الشان تخریبی کام انجام دے سکتے ہیں جو میں کہہ سکتا ہوں کہ بعض اوقات (ہر زمانہ کے متعلق نہیں کہتا) لیکن بعض اوقات خالص علمائے دین اور خالص مشائخ طریقت اور یہاں تک کہ خالص داعی و مبلغ بھی نہیں کرسکتے،

اللہ تعالیٰ نے ادب میں ایک طاقت رکھی ہے قرآن مجید کی مشہور سورہ، سورۃ الرحمان کی ابتدائی آیتیں ہیں۔

الرحمن علم القرآن ۝ خلق
الانسان علمہ البیان ۝

(یعنی خدائے رحمان ہی جس نے قرآن کی تعلیم دی، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان سکھلایا) ہمیشہ سے انسان کی تعریف کی گئی ہے، خاص طور پر اس فلسفہ فکر میں جو دنیا میں طویل مدت تک رائج رہا اور اب بھی اس کا اثر ہے، فلسفہ یونانی میں انسان کی تعریف حیوان ناطق سے کی گئی ہے، اور قرآن مجید میں قوت بیانیہ کی قدر وقیمت کو صرف تسلیم ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کو واضح کیا گیا ہے، قرآن مجید میں متعدد آیتیں آپ پڑھیں گے، ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو جو تمام چیزوں سے ماوراء ہے تمام صفات سے ماوراء ہے اور اس کی شان بہت زیادہ ارفع واعلیٰ ہے اس کو بھی بیان کے لفظ سے متصف کیا ہے اور اس کو "عربی مبین" کہا گیا ہے، اسی طرح ایک آیت ہے۔

نزل بہ الروح الامین علی
قلبک لتکون من المنذرین۔

(اس کو یعنی قرآن کو لے کر روح الامین اترے ہیں آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں) لتکون من المنذرین۔ کافی تھا، نبی کی زبان، وحی ترجمان اور صادق ومصدوق، مؤید من اللہ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کہا گیا کہ "بلسان عربی مبین" فصیح عربی زبان میں واضح اور موثر زبان میں اسی طرح فرمایا گیا۔

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ۔ "بلسان قومہ" کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ٹوٹی پھوٹی زبان میں اپنا مطلب ادا کردیا کرتے تھے اور وہ سمجھا لیتے تھے اور لوگ سمجھ جاتے تھے کہ وہ کیا کہنا چاہتے تھے، جب قرآن کہتا ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زبان خدا کے یہاں بھی قابل ذکر ہے اور اس کا ایک درجہ ہے اور اس کا ایک معیار ہے، پھر سورہ یوسف جس طرح شروع ہوتی ہے۔

انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ۝

(یعنی ہم نے اس قرآن کو فصیح اور واضح زبان میں اتارا تاکہ اس کو سمجھو اور خود عربی کے معنی فصیح کے ہیں) اور پھر رسول اللہ نے خود فرمایا۔ "انا افصح العرب، بید انی ولدت فی قریش ونشأت فی بنی سعد بن بکر" میں تمام عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لئے ایک بات تو یہ ہے کہ میں قریش میں پیدا ہوا جس کی زبان مسلّم ہے، ٹکسالی زبان ہے اور قریش کے بعد سعد بن بکر کی زبان سب سے زیادہ محفوظ تھی اور فصیح تھی، تو ادب کی طاقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، ادب ایک آلہ ہے تعمیر کا بھی اور تخریب کا بھی، وہ ذہنوں کو بناتا بھی ہے اور بگاڑتا بھی ہے اور اس میں ایسی جادوگری ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت رکھی ہے کہ وہ بڑے بڑے عقلاء اور ذہین لوگوں کو اس طرح مسحور کرلیتا ہے کہ ان کو جس راستے پر ڈال دیا جائے اور چلایا جائے وہ اس راستہ پر چل پڑتے ہیں، آپ اگر دنیا کے انقلابات کی تاریخ پڑھیں گے اور اسلام کی تجدید واصلاح کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس قوت بیانیہ سے زبان کی فصاحت وبلاغت سے اور قلم کی طاقت سے کتنا بڑا کام لیا گیا۔

انقلاب فرانس دنیا کی تاریخ میں ضرب المثل ہے، اس انقلاب کے پیچھے آپ کو کچھ اہل قلم نظر آئیں گے، کچھ ادباء نظر آئیں گے جنہوں نے ذہنوں کو تیار کیا، جمہوریت کے لئے، آزادی کے لئے اور بغاوت کے لئے، اور پھر ان کا اتنا اثر پڑا کہ ایک ایسی نسل تیار ہوگئی جو برداشت نہیں کرسکتی تھی، اس وقت کے حالات کو فرانس میں موجود استبداد کو، جمود کو، اور تقدیس کو جو دین کے نام سے وہاں مسلط تھیں جو وہاں کی روایات تھیں اور ان کا جو اثر تھا وہ سب ریت کا ڈھیر ثابت ہوئے، ان کتابوں کے ادبی شہ پاروں نے، شاعری نے جو اس دور میں پیدا ہوئی اور یہاں تک کہ ناول نگاری نے اور قصے کہانی کی جو کتابیں لکھی گئیں اور اس کے علاوہ اور بھی (ادب کا دائرہ وسیع ہے) اس نے فرانس کو ایک ایسے مرحلہ پر پہنچا دیا کہ وہ اس انقلاب کے لئے نہ صرف تیار تھا بلکہ بے چین تھا اور کوئی استبدادی طاقت، کوئی منطق اور دین کے نام سے کوئی دعوت اور کوئی تقدیس ان کو روک نہیں سکتی تھی، یہاں تک کہ وہ لاوا کوہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا اور پورا فرانس بہہ گیا، اس انقلاب فرانس کا اثر پورے یورپ پر پڑا، یہاں تک کہ آج تک ذہنوں پر قائم ہے۔

یہ تو سیاسی اور عوامی انقلابات کا ذکر ہے، خود آپ اسلام کی تاریخ میں دیکھیں گے کہ (اس موقع سے فائدہ اٹھا کے کہتا ہوں) ہمیشہ زبان نے اور قلم کی طاقت نے ساتھ دیا ہے، تجدیدی اور اصلاحی تحریکوں کا اور یہ ان کا سب سے بڑا وہ ہتھیار رہا ہے اور جہاد کا سب سے بڑا آلہ رہا ہے، اور وہ حضرات جنہوں نے حالات میں تبدیلی پیدا کردی، ایک نظام کو ختم کرکے دوسرے نظام کو جاری کردیا اور ذہنوں میں نئی بیداری بلکہ بے چینی پیدا کردی، وہ وہ لوگ تھے جنہوں نے قوت بیانیہ سے اور قلم کی طاقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، اس میں مشکل سے کوئی استثناء آپ کو ملے گا، آپ اوپر سے

دیکھیں سیدنا علی مرتضیٰ رض کتنے بڑے ادیب و خطیب تھے کہ عربی ادب میں اس وقت سے اب تک وہ معیاری شخصیت ہیں، پھر اس کے بعد آپ دیکھیں تو حضرت حسن بصریؒ، حضرت سماک رح اور دوسرے داعی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رح آج تک ان کے خطبے پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرج رہے ہیں، اور بجلیاں تڑپ رہی ہیں اور کوند رہی ہیں اور ایک شخص ہے جو گرز چلا رہا ہے اور اس سے باطل کے سارے طلسم ٹوٹتے چلے جا رہے ہیں، پھر یہاں آپ ہندوستان میں دیکھئے حضرت مخدوم بہاری رح کے مکتوبات دیکھئے صرف فارسی ادب نہیں، صرف اسلامی ادب نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں اور میں نے اس کا اظہار بھی کیا ہے کہ عالمی ادب میں، بین الاقوامی ادب میں اس کا ایک پایہ ہے اور باوجود اس کے کہ اس کے مقاصد دینی تھے اور اس کی زبان دینی تھی، لیکن ادب کے ایسے نمونے ہیں جس کی مثال مغربی زبانوں میں ملنی مشکل ہے آج بھی ان کے اندر وہ طاقت ہے کہ پڑھنے والا ہل جاتا ہے دل و دماغ متاثر ہوتا ہے، اور وہ چیزیں دل میں پیوست ہو جاتی ہیں پھر حضرت مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات پڑھئے جو اسلام کی کمزوری اور ہندوستان میں اس کے لئے جو آزمائش تھی دور اکبری میں، اس پر اس طرح آنسو بہائے ہیں کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے خطوط میں کیا طاقت ہے، آج بھی ان میں کتنی حرارت موجود ہے، اور حرارت کے ساتھ ساتھ کتنی رقت انگیزی ان میں موجود ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ہمارے سب کے استاد و بزرگ مولانا سید سلیمان ندوی رح نے تقریر کی، انہوں نے کہا کہ پہلے عالم اسلام میں عقائد کا تزلزل اور الحاد آ رہا تھا فلسفہ کی راہ سے، اس کے لئے امام ابوالحسن اشعری رح، امام باقلانی رح امام غزالی رح اور امام رازی رح وغیرہ پیدا ہوئے پھر جب مغربی قوموں سے واسطہ پڑا تو اسلامی عقائد میں تزلزل، تجدد، الحاد اور آزاد خیالی کی رو آئی اور سائنس کے راستہ سے جب سائنسی تحقیقات آئیں تو معلوم ہوا کہ کتنی سرعت پیدا کی جا سکتی ہے اور کتنی طاقت ہے ان چیزوں میں جو خدا نے پیدا کی ہیں اور ان کو تسخیر کیا جا سکتا ہے اپنے مقاصد کے لئے، اور نئی نئی تحقیقات ہوئیں تو دماغ مسحور ہو گئے، ہندوستان کی بعض ایسی بڑی شخصیتیں جن کا ایک مقام ہے اور جو صاحب فکر تھے اور خالص دینی ماحول میں ان کی پرورش ہوئی تھی، ان کے دماغ نے پورا اثر قبول کیا اور قبول ہی نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی تحریروں میں اس کو منتقل کر دیا، اس سے پوری ایک نسل متاثر ہوئی اور ہندوستان میں نئے قسم کے متکلم پیدا ہوئے کہ ان کے نام لینے کی ضرورت نہیں اور آج تک اس کا اثر کسی نہ کسی درجہ باقی ہے، تو سید صاحبؒ نے فرمایا کہ پھر الحاد آنے لگا سائنس کے راستے سے فلسفہ کا طلسم ٹوٹ گیا اور اس کی اہمیت جاتی رہی، اس لئے کہ زندگی سے اس کا تعلق نہیں رہا، پھر اس کے بعد سیاست کے راستہ سے الحاد آنے لگا یعنی جمہوریت، ڈیموکریسی، شخصی سلطنت اور اس طرح کے نظام یہاں تک کہ ہمارے اچھے اچھے لوگ اس سے کسی نہ کسی درجہ متاثر تھے اور علامہ شبلیؒ جیسے آدمی نے بھی جو خود ایک دبستان تھے اور ایک دبستان کے بانی ہیں، ان کی تحریروں میں بھی آپ دیکھیں گے کہ ان کو بھی اہمیت کا احساس ہے اور وہ سیدنا فاروقؓ کی سیرت نگاری میں لحاظ رکھتے ہیں اس ذہن کا جو سیاست سے متاثر ہے اور میں نے ایک کتاب دیکھی، محب الدین خطیب کی چھاپی ہوئی "سیرۃ عمر بن الخطاب رض" ابن الجوزی کی اس کے ٹائٹیل پر لکھا تھا "اول حاکم دیموقراطی فی الاسلام" اس سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ تعریف بھی انہوں نے کہ یہ کہا جائے کہ یہ پہلے جمہوری حاکم ہیں اسلام کے، پھر سید صاحبؒ نے فرمایا کہ پھر اس کے بعد اقتصادیات کے راستہ سے الحاد آنے لگا اور اکنامکس، اشتراکیت، اجتماعیت، کمیونزم، سوشلزم، اور کیا نظام ہونا چاہئے، اور جو لوگ اکنامکس پڑھتے تھے وہ متاثر ہوئے، اور کچھ پڑھے لکھے لوگوں نے اشتراکی نظام کا مطالعہ کیا اور متاثر ہوئے اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے الحاد اختیار کیا پھر جب ان کے ہاتھ میں زمام اختیار آئی تو ملکوں اور معاشروں کو بدل کر رکھ دیا، پھر سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کے بعد پھر اس کا بھی اثر کم ہوا، اور اب الحاد ادب کے راستہ سے آ رہا ہے چنانچہ یہ ہمارا مطالعہ ہے کہ اکثر جامعات کے شعبہ ادب، وہ انگریزی ہو یا اردو، یہ خاص طور پر عقائد میں تزلزل پیدا کرنے اور الحاد و تجدد اور آزاد خیالی کا مرکز رہے ہیں اور اب بھی بہت سی یونیورسٹیوں میں یہی حال ہے کہ انگلش ڈپارٹمنٹ اور خاص طور پر اس میں پڑھنے والے جو طلبہ ہیں وہ زیادہ آزاد خیال ہوتے ہیں اور ان کے اندر بغاوت پیدا ہوتی ہے قدیم اقدار اور دینی اقدار سے، حالانکہ زبانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور زبانوں کے دائرے سے باہر ہے، لیکن زبان کی جو بہترین چیزیں لکھی ہوئی ہیں اور جو ان کے پڑھانے والے ہیں وہ غیر اسلامی افکار و نظریات سے متاثر رہے ہیں بلکہ آزاد خیالی اور فکری انتشار کے داعی رہے ہیں، اور اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض جامعات میں (جن کا میں نام نہیں لوں گا) شعبہ عربی مرکز رہا ہے اس آزاد خیالی کا جو کہ میرا قریبی تعلق رہا ہے ان جامعات سے اور آتا جاتا رہتا ہوں، کمیٹیوں میں بھی شامل رہا ہوں تو مجھے معلوم ہوا کہ بعض یونیورسٹیوں کا شعبہ عربی مرکز بنا ہوا ہے، الحاد اور آزاد خیالی کا اور وہاں پڑھنے والے لوگ بہت متاثر ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کے جو صدر شعبہ ہیں یا بڑے اساتذہ ہیں وہ متجدد ہیں اور داعی ہیں ان خیالات کے، میں نام نہیں لے سکتا ہوں کہ بہت سے اس دنیا سے سفر کر چکے اور بعض باقی ہیں۔

ادب کی راہ سے جو چیز مثبت یا منفی، ایجابی یا سلبی، تعمیری یا تخریبی داخل کی جا سکتی ہے، وہ دوسرے جو بہت زیادہ بھاری بھرکم، ضرورت سے زائد سنجیدہ اور دقیق علوم ہیں جو محنت طلب علوم ہیں ان کے ذریعہ سے داخل نہیں کی جا سکتی، ایک شعر پڑھ دیجئے، ایک فقرہ چست کر دیجئے، ایک ادیب کی چند سطریں پڑھ دیجئے جو اس کا اثر ہوگا وہ کسی مطولات کے عالم اور فلسفہ کی کتاب کا نہیں ہو سکتا، اس لئے ہماری نگاہ میں بڑی قدر و قیمت ہے، ان لوگوں کی جنہوں نے ادب کی راہ سے بھٹکے ہوئے ذہنوں کو سنبھالا ان کو اسلام کی طرف مائل کیا اور جو بغاوت کا جذبہ پیدا ہو رہا تھا بھٹکے ہوئے نوجوانوں میں اور ان کے عقائد میں جو تزلزل آ رہا تھا ان کے ذہن میں جو انتشار پیدا ہو رہا تھا اور جو تشکک پیدا ہو رہا تھا اور جس کی سربراہی افسوس ہے کہ ہمارے ممالک عربیہ اور خاص طور پر مصر کے بعض ادیبوں نے کی، اس پر روک لگائی اور ان کا مقابلہ کیا، میں نام نہیں لینا چاہتا، ان کا معاملہ اب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے لیکن مصر میں بعض لوگوں نے گویا بیڑا اٹھایا اس کا اور چونکہ مصر کا اثر تمام عرب ملکوں پر پڑتا تھا، جمال عبدالناصر کے پہلے جیسا کہ ایران کا اثر پڑتا تھا مسلمانوں کے حکومت کے زمانہ میں ہندوستان پر اور ولایت کا اثر پڑتا تھا، انگریزوں کے دور حکومت میں اور لفظ ولایت ہی بتاتا ہے کہ کس احترام سے یہ لفظ نکلتا تھا تو جس طرح انگلینڈ کا اور یورپ کا اثر پڑتا تھا اسی طرح مصر کا اثر تھا تمام ممالک عربیہ پر، اچھے اچھے لوگ مصر کی طرف جو چیز منسوب کی جائے اس کا نام لیتے ہی اور کسی مصری کتاب کا نام لیتے ہی مصر وہ گویا بالکل مسحور ہو جاتے احتراماً خاموش ہو جاتے اور اس کا جواب دینا بہت مشکل ہو جاتا تھا، ان مصری ادیبوں سے سارا عالم عربی متاثر ہو رہا تھا، اور تمام عرب نوجوانوں پر ان کا جادو چلنے لگا تھا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے بعض دوستوں کو اس کا مقابلہ کرنے کی توفیق دی، ان میں سب سے زیادہ جنہوں نے اس سلسلہ میں سرگرمی دکھائی اور اس کو ایک تحریک اور زندگی کا مقصد بنا دیا، اور یہ ہے اصل چیز کہ اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا اور عبادت سمجھا وہ ہمارے مرحوم دوست ڈاکٹر عبدالرحمن رافت باشا ہیں کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی ذات سے خدمت کی اور بڑا کام کر گئے بلکہ چونکہ وہ شعبہ ادب کے سربراہ بھی تھے، جامعۃ الامام محمد بن سعود میں انہوں نے اس تحریک کو آگے بڑھایا اور ایک نسل تیار کی، اور انہوں نے اپنے زیر تربیت طلباء اور جو نوجوان کی رہنمائی کی اور ان کو بجائے اس کے کہ کوئی اور موضوع دیں، ادب کا موضوع دیا اور ان سے درجنوں کتابیں لکھوائیں جو ان کی تحریک پر لکھی گئیں اور جیسا کہ ہمارے عزیز مولوی محمد رابع نے کہا کہ انہوں نے یہ دو سلسلے تیار کئے ایک دعوتی ادا اسلامی شعر کا سلسلہ اور حیات الصحابیات کا سلسلہ اور چونکہ وہ اچھے اہل قلم اور ادیب بھی تھے اس لئے ان کی کتابیں بہت کامیاب ہوئیں بہر حال ان سے ہمارا تعارف ان آخری برسوں میں ہوا جس کی مدت بہت طویل نہیں ہے لیکن بہت جلد ہمارے ان کے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم ہو گیا جو صرف ادبی، اور علمی رشتہ نہیں تھا بلکہ دوستانہ اور برادرانہ رشتہ بھی تھا، میں ان کی شرافت سے بہت زیادہ متاثر ہوا، اور انہوں نے ادب اسلامی میں ندوۃ العلماء کا اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا جو حصہ ہے، ان کا انہوں نے بڑی فراخدلی بلکہ بڑی جرأت اور شرافت کے ساتھ اعتراف کیا، اور حقیقت میں اس وقت رابطہ ادب اسلامی کی جو تحریک ہے وہ ان کی ہی رہین منت ہے انہوں نے اس کی طرف توجہ دلائی اور خود بھی وہ کوشش کرتے رہے اور اس کو ایک ادارہ کی حیثیت سے اور تحریک کی حیثیت سے لینے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی اسی موضوع پر گفتگو ہوتی تھی، وہ یہاں رابطہ ادب اسلامی کے جلسہ میں آئے انہوں نے جلسہ کی رہنمائی کی اور بڑی اچھی قیادت کی، اس کو صحیح رخ پر رکھا، وہ اس کے بعد بھی برابر اس تحریک سے وابستہ رہے اور ہمارے ساتھیوں اور عزیزوں اور ان کے درمیان برابر رابطہ قائم رہا اور ہم بڑی امیدیں رکھتے تھے کہ ان کا کام اور وسیع ہوگا اور زیادہ مؤثر ہوگا، کیونکہ ان کا شب و روز کا مشغلہ اور گویا ان کا وظیفہ یہی تھا اور ہم سمجھتے ہیں کہ انہوں نے وقت کا ایک جہاد اور دعوت کا کام سمجھ کر اس کو انجام دیا اور یہ بھی ایک فال نیک اور بشارت ہے کہ

بقیہ صفحہ ۔ پر

ترکی میں ایک ہفتہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے ہمراہ

● مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

چہار شنبہ مورخہ ۱۵ر کو حسب پروگرام، طے شدہ ۹½ بجے صبح شیخ امین سراج اپنے دوست الحاج عثمان نوری آفندی کو لے کر آ گئے، تاکہ بورصہ کا سفر کیا جا سکے، بورصہ ترکی کا تاریخی شہر ہے اور اس کا جائے وقوع بھی بہت اچھا ہے، اس لئے وہاں سیاحوں کی آمد و رفت ہے، وہ استنبول کے جنوب میں واقع ہے، لیکن بحر مرمرہ کا ایک مشرقی کونہ دونوں شہروں کے درمیان واقع ہونے کے باعث بری راستہ گھوم کر جاتا ہے، جس کی وجہ سے موٹر سے بورصہ کا سفر تین چار گھنٹوں کا بن جاتا ہے، البتہ اگر اسٹیمر سے یہ راستہ طے کیا جائے تو مختصر ہو جاتا ہے، بورصہ شہر بالکل ساحل پر نہیں ہے بلکہ ساحل سے ۲۰۔۳۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اسٹیمر سے ایک درمیانی مقام یلووا پر اترنا ہوتا ہے وہاں سے سڑک کے ذریعہ بورصہ جانا ہوتا ہے، استنبول سے یلووا کے لئے ہر تھوڑی دیر میں اسٹیمر ملتا ہے، یہ اسٹیمر دو منزلہ ہوتا ہے، پہلی منزل موٹروں اور ٹرکوں کے لئے اور دوسری منزل مسافروں کے بیٹھنے کے لئے، اسٹیمر کا کنارہ ساحل سے اس طرح لگ جاتا ہے کہ سڑک سے اسٹیمر کے اندر موٹریں چل کر آسانی سے پہنچ جاتی ہیں اور موٹروں کی سواریاں اسٹیمر کے اندر پہنچنے کے بعد موٹروں سے اترتی ہیں۔

پہلے پروگرام یلووا تک اسٹیمر کے ذریعہ سفر کرنے کا تھا اور وہاں سے موٹر پر بورصہ جانا تھا، لیکن راستے میں عثمان نوری آفندی کی رائے ہوئی کہ جانے میں بری راستہ سے سفر کیا جائے، وقت زیادہ صرف ہوگا لیکن راستے کے پہاڑ و ساحل کا مشاہدہ ہو سکے گا، پھر اسٹیمر کا فائدہ واپسی میں حاصل کیا جائیگا چنانچہ استنبول کے جنوب میں واقع ترکی کے شمال مغربی ساحل کے کنارے کنارے ڈیڑھ دو سو کلومیٹر کا سفر ہوا، راستہ میں چھوٹے شہر اور بستیاں ملتی گئیں جن میں قابل ذکر ازمت وغیرہ تھیں، یلووا شہر کا جائے وقوع بہت اچھا ہے یہ مقام استنبول اور بورصہ کے وسط میں ساحل سمندر پر اس طرح واقع ہے کہ صرف بورصہ ہی نہیں بلکہ اس علاقہ کے دوسرے کئی شہروں کا راستہ بھی اس سے گذرتا ہے، استنبول سے یہاں تک کا بری راستہ خاصا طویل ہے کیونکہ وہ خم کھاتا ہوا آتا ہے، البتہ بحری راستہ بالکل سیدھا ہے، اس لئے بکثرت اس طرف سفر اور مواصلات کے لئے اس کا بحری راستہ ہی اختیار کیا جاتا ہے، شہر چھوٹا ہے لیکن خوش منظر اور صحت بخش فضاء رکھتا ہے چنانچہ گرمیوں کے موسم میں موسم گذارنے کے لئے باہری لوگ یہاں مکان لے کر رہتے ہیں، نامور عالم و قائد شیخ محمد محمود صواف بھی سال کا بڑا حصہ یہاں گذارتے ہیں، انہوں نے یہاں اپنا مستقل مکان بھی کر لیا ہے، ان کے علاوہ موجودہ موسم میں یہاں رابطہ ادب کے رکن استاد محمد حسن بریغش، رابطہ ادب کے سکریٹری ڈاکٹر عبدالباسط بدر اور کئی دیگر عرب حضرات مقیم ہوئے، یلووا میں قیام کرنے والوں کو ایک آسانی یہ بھی ہے کہ صرف دو گھنٹے کے سفر میں وہ استنبول جا سکتے ہیں جو ایک مثالی شہر ہے اس طرح وہ بڑے شہر سے دور رہتے ہوئے قریب بھی ہے، چنانچہ رابطہ ادب اسلامی کے پروگراموں کے لئے یہ لوگ بآسانی آتے جاتے رہے، شیخ محمد محمود صواف کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ اس وقت یلووا ہی میں ہیں مولانا مدظلہ کو ان سے ملنے کا خیال ہوا، کیونکہ ان سے بہت قدیمی اور اس وقت سے ربط ہے جب وہ عراق میں تھے اور وہاں دعوت و اصلاح کے کام میں مصروف تھے، شروع میں وہ عراق کے، پھر پورے عالم عربی کے ایک بااثر عالم اور عظیم خطیب ہیں، عراق کے فوجی انقلاب کے بعد عراق کی انقلابی آمرانہ فوجی فضاء کی وجہ سے انہوں نے عراق میں کام کا میدان نہ سمجھتے ہوئے ہجرت کی اور مکہ مکرمہ کو مستقر بنایا، وہ رابطہ عالم اسلامی کے رکن منتخب ہوئے، نیز متعدد بڑے اداروں کے رکن بھی منتخب ہوئے، تصنیفی میدان میں بھی انہوں نے کام کیا ہے، اب کچھ برسوں سے انہوں نے ترکی کو اپنا وطن ثانی بنا لیا ہے، تقریباً نصف سال مکہ مکرمہ میں اور نصف ترکی میں گذارتے ہیں، استنبول اور یلووا کے درمیان ان کی آمد و رفت رہتی ہے، مولانا مدظلہ نے یلووا سے گذرتے ہوئے ان سے ملاقات کی کوشش کی لیکن اس موقع پر وہ استنبول گئے ہوئے تھے استنبول واپس پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ اب یلووا میں ہیں، بہر حال ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی اور دونوں حضرات افسوس ظاہر کرتے رہے کہ ملاقات کا آسان موقع حاصل ہونے پر بھی ملاقات نہ ہو سکی، یلووا تک راستہ دامن کوہ و ساحل آب کے درمیان سے پیچ کھاتا ہوا گذرا، آبادیوں میں زندگی شائستہ اور صاف نظر آتی تھی اور مجموعی طور پر ترکی کے شہر و دیہات سب شائستہ منظم اور مناسب معیار زندگی کے معلوم ہوئے، ترکی باوجود اپنی زمین کے متنوع ہونے کے مجموعی طور پر شاداب اور متوسط حد تک زرخیز ہے، معدنیات بھی ہیں، اور صنعت بھی تمام زندگی سے تعلق رکھنے والی مصنوعات کو دیکھا کہ ان میں تمام ایسی پیکنگ اور کوریں ملیں جس پر تنہا ترکی زبان میں نام و تفصیلات درج ہیں، کسی دوسری زبان کا شائبہ بھی نہیں جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ یہ سب ملک کے اندر بنی ہوئی ہیں۔

یلووا سے بورصہ کی طرف جب روانہ ہوئے تو ساحل سمندر تھا، اب اندرون ملک پہاڑ اور وادیوں کے درمیان سے راستہ گذر رہا تھا، سڑکیں ہموار اور پہاڑوں کو جگہ جگہ تراش کر کے ان کو گذارا گیا ہے، منظر بھی خوشنما اور حالت بھی اچھی، ترک لوگ پہاڑوں کو تراش کر کے راستے نکالنے کی انجینیرنگ میں متعدد قوموں سے بہتر ہیں، اس کی ایک علامت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ شہر میں تقریباً ۱۲۔۱۴ سرنگیں ہیں جو شہر کو باہر سے اور اندرون شہر میں واقع پہاڑوں کے ایک طرف کو دوسری طرف سے ملاتی ہیں معلوم ہوا کہ وہ سب ترک انجینیروں کی بنائی ہوئی ہیں

بورصہ پہنچنے سے سڑک کے بائیں جانب کئی بڑے کارخانے نظر آئے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ موٹر سازی کے کارخانے ہیں، ان میں ملک کی ضرورت کے لئے موٹریں تیار کی جاتی ہیں اور عام طور پر ملک میں وہی استعمال ہوتی ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہ باہر کے ترقی یافتہ ممالک کے کارخانوں کی شرکت سے چلتے ہوں لیکن ظاہر میں سب ترکی نظر آیا، موٹریں اعلیٰ اور ترقی یافتہ ملکوں میں بنی ہوئی موٹروں کی طرح مضبوط اور اچھی فینشنگ کی نظر آئیں، جس موٹر کار پر ہم لوگ سفر کر رہے تھے، وہ بھی ترکی کارخانہ کی بنی ہوئی تھی، اس کے ڈائل اور پرزوں کو دیکھ کر عمدگی کا اندازہ ہوتا تھا۔

بورصہ کی آبادی یوں تو میدانی زمین میں ہے جو بلند پہاڑ کے پہلو میں ہے اور شہر بڑھتے بڑھتے اب اس کا ایک حصہ پہاڑ کے دامن پر آ گیا ہے، پہاڑ کی چوٹی تک جانے کے لئے مناسب اور بل کھاتی ہوئی سڑکیں نیز الکٹرک کا بھی انتظام ہے، مقامی اور بیرونی لوگ دونوں ذریعوں سے پہاڑ کی سیر کرتے ہیں، کار کے ذریعہ ہم لوگوں کا بھی جانا ہوا، اور اوپر سے شہر کا منظر دیکھا بڑا دلفریب معلوم ہوا، بہت دور تک شہر پھیلا ہوا، درمیان درمیان میں جگہ جگہ مسجدوں کے مینارے نوکیلی اور کھڑی پنسلوں کی مانند نظر آئے، میناروں کا یہ منظر صرف بورصہ ہی تک محدود نہیں بلکہ جس شہر و قصبہ سے گذرنا ہوا یہی منظر دیکھا، اسلام کی سطوت جانی اور قوت کا منظر دیکھا کہ مغربی سازشوں نے کیا نہ کیا لیکن اسلام کا کچھ زیادہ بگاڑ نہ کر سکے اور بورصہ تو اور بھی اسلامی روایات سے قریب تر باقی رہا، یہ ایک رومی شہر تھا جس کو عثمانی فرمانروا سلطان عثمان خان اول نے فتح کیا، یہ فتح بھی عظیم فتح کہلائی، جو بڑی عزیمت اور حوصلے سے کی گئی تھی، اس کے فتح ہونے پر عثمانی سلطنت کا مرکز یہی شہر بنا، پھر جب سلطان محمد الفاتح نے استنبول فتح کیا تو پایہ تخت بورصہ سے منتقل ہو کر استنبول چلا گیا۔

بورصہ میں اولیں عثمانی سلاطین کے متعدد آثار ہیں، ان آثار میں متعدد مسجدیں جو اپنے پرانے طرز تعمیر اور اپنے عہد کی شکلوں میں اب تک قائم ہے اتنے قدیم طرز تعمیر اور باشندوں کے مذہبی جذبہ کی غماز ہیں، بورصہ شہر صنعت اور خاص طور پر کپڑے کی صنعت میں رومی زمانہ سے شہرت رکھتا رہا ہے اور درمیان درمیان میں کپڑے کی بعض قسموں کی صنعت میں منفرد شمار کیا گیا، اب بھی کپڑے کی بعض قسموں کی صنعت میں اس کی شہرت باقی ہے۔

ہم لوگ بورصہ شہر میں تقریباً ساڑھے بارہ بجے داخل ہوئے، رہبر و میزبان حضرات سب سے پہلے اپنے ایک دوست کی دوکان پر لے گئے، ان کے یہ دوست دراصل عمارت سازی کے ٹھیکیدار ہیں اور بلغاری ترک ہیں، بلغاریہ کی حکومت کے ظلم و تشدد سے بچنے کے لئے ہجرت کر کے آنے والے بلغاریوں کی طرح یہ بھی ہجرت کر کے آ گئے، اور اب اپنے شہر کے اچھے کامیاب اور سربرآوردہ شہری بن چکے ہیں، بورصہ میں یہی ہم لوگوں کے میزبان ہوئے، دوپہر کو انہی کے انتظام و ضیافت میں وسط شہر ہی میں رہنا ہوا، عصر کے بعد شہر اور پہاڑ کی سیر کے بعد شہر کے مضافات میں واقع ان کے مکان پر جانا ہوا، اور رات ان کے مکان پر گذاری، اس سے قبل عصر کے وقت شہر کی سیر کے لئے نکلے۔ شہر کی سیر کے بعد شہر سے پندرہ بیس کلو میٹر پر ایک دیہی بستی میں جانا ہوا، یہاں کویت کے سابق وزیر اوقاف اور بین الاقوامی اسلامی فلاحی انجمن کے حالیہ صدر شیخ یوسف الحجی نے اپنی اقامت گاہ بنا رکھی ہے وہ موسم گرما میں چھٹی گذارنے کے لئے اس میں رہتے ہیں، ایک سادہ سی لیکن صاف اور متوسط معیار کی کوٹھی ہے جو انہوں نے اپنے بلغاری ٹھیکیدار سے بنوا رکھی ہے یہ معلوم ہونے پر کہ

آج کل شیخ یوسف الجی یہاں موجود ہیں ان سے ملاقات آسان معلوم ہوئی وہ کو می کے گیٹ سے نکلتے ہوئے ملے، وہ بعد عصر کی چہل قدمی کے لئے جا رہے تھے، مولانا مدظلہ کو دیکھتے ہی لوٹ پڑے اور بہت مسرور ہوئے اور بٹھایا، اور کچھ دیر گفتگو رہی، اور پھر وہاں سے واپسی ہوئی۔

بلغاری میزبان کے مکان پر بعد مغرب پہونچنا ہوا وہاں ان کے دو بلغاری دوستوں سے بھی ملاقات ہوئی، وہ دونوں تعلیمی لائن میں ہیں ایک تو مدرسہ الوعاظ والخطباء میں استاد ہیں دوسرے عصری تعلیم گاہ میں ملازم ہیں، مدرسۃ الوعاظ والخطباء ترکی میں دینی مدارس کا ایک وسیع نظام ہے، جس میں ہزاروں طلباء تعلیم حاصل کرتے ہیں یہ مدرسے امام و خطیب تیار کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی عمومی مذہبی ضرورت پوری ہو سکے ان مدرسوں میں اعلیٰ دینی تعلیم کا بندوبست نہیں ہے جو طلباء اعلیٰ تعلیم چاہتے ہیں ان کو مصر و شام و سعودی عرب جانا پڑتا ہے، کچھ ضرورت استنبول یونیورسٹی کے عربی درجات کے شعبہ سے بھی پوری ہوتی ہے۔

مدرسۃ الوعاظ والخطباء کے علاوہ حفظ قرآن کے مدارس و مکاتب بھی اچھی تعداد میں ترکی کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھیلے ہوئے ہیں، معلوم ہوا کہ ان مکاتب و مدارس میں تنہا بورصہ میں ہزار طلباء اس وقت حفظ قرآن کر رہے ہیں، یہ معلومات ان بلغاری مدرسین سے معلوم ہوئی اور بہت مسرت ہوئی کہ اسلام سے ظاہری دوری کے باوجود مذہبی ضرورت کے پورا کرنے کا اس قدر اہتمام پایا جاتا ہے۔

بلغاری دوستوں نے حکومت بلغاریہ کی اسلام دشمنی کے واقعات سنائے اور یہ بتایا کہ اسلامی دلچسپیوں اسلامی علامتوں اور اسلامی وابستگی کو مٹانے کے لئے حکومت اپنے پورے ذرائع استعمال کر رہی ہے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ گھروں کے اندر بھی اسلام کی تعلیم نہ ہو، لیکن بلغاری مسلمان اقلیت جو سب کی سب ترک نسل کی ہے تمام مظالم برداشت کرتے ہوئے بھی اسلامی وابستگی پر قائم اور اسلام کو سینوں سے لگائے ہوئے ہے جو لوگ بہت مجبور و عاجز ہو جاتے ہیں اور ان کو موقع مل جاتا ہے تو ہجرت کر کے ترکی آ جاتے ہیں، ان کے ذریعہ مظالم اور سختیوں کی خبریں ملتی رہتی ہیں، ورنہ حکومت نے اطلاعی ذرائع کو زبردستی و ظلم کی ایسی خبروں کو نشر کرنے کا پابند کر رکھا ہے اور وہ اس کے برعکس پروپیگنڈہ کرتی ہے کہ سب خیریت ہے اور اسلام کی پوری آزادی ہے،

ہم لوگوں نے ان کو بتایا کہ عربی اخبارات کے ذریعہ اس طرح کی تفصیلات ہم لوگوں کو بھی پہونچتی رہتی ہیں اور ہم لوگوں کو بہت افسوس ہے اور ہماری ہمدردیاں مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے مولانا مدظلہ کی باتوں کو ٹیپ بھی کیا، اور مولانا مدظلہ کی ہمدردی پر شکر گذاری کا اظہار کیا، صبح نو بجے استنبول واپسی کے لئے ہم لوگ بورصہ سے نکلے، اور گھنٹے بھر کے کار کے سفر کے بعد یلووا پہونچے، وہاں اسٹیمر تیار ملا، براہ راست کار سے اسٹیمر کے اندر پہونچے اور اتر کے دوسری منزل پر موجود نشست گاہوں پر آ گئے، جہاز چھوٹا لیکن اپنی گنجائش کے مطابق مسافروں کی تعداد کے لئے وسیع تھا، جہاز پر گھومنے پھرنے کے مواقع بھی تھے، چائے پانی کی سہولت بھی تھی، سمندر کا سفر اور وہ بھی پرسکون سمندر میں اور طویل اکتا دینے والا بھی نہیں، بہت خوشگوار اور تفریح کا باعث ہوتا ہے دور افق سے ملے ہوئے ساحل و پہاڑ بھی نظر آتے رہتے ہیں، مسافروں میں ترکی باشندے اور دیگر ملکوں کے سیاح تھے جن میں عرب اور بعض ہندوستانی بھی تھے، لوگوں سے گفتگو ہوئی، سب ترکی علاقہ کو اس موسم میں نہایت خوشگوار اور یورپ سے بھی بہتر قرار دے رہے تھے ان کا کہنا تھا کہ یہ تمدنی لحاظ سے یورپ سے کم نہیں اور خوبی یہ کہ مسلمان ملک ہونے کے ناطے بہت سی لغو تیوں سے صاف اور پھر قوم ہم مذہب ہونے کے باعث مانوس ہے، ملک میں گرانی کم ہے جو بلند تمدنی معیار کی وجہ سے ہمارے مشرقی ترقی پذیر ممالک سے تو کچھ زیادہ ہو گی، لیکن یورپ کے ملکوں کے مقابلہ میں کم ہے، لوگوں میں عموماً خوشحالی نظر آئی چونکہ شہر و دیہات دونوں پر نظر ڈالنے کا موقع ملا، اس لئے اس کا عمومی اندازہ کرنا ناممکن نہ تھا لیکن اس خوشحالی میں ایک حد تک سیاحوں کی آمد کو بھی دخل ہے سیاحوں کی زیادہ آمد سے قبل یہ خوشحالی نہ تھی خلافت عثمانیہ کا آخری دور تنگ حالی کا تھا، یورپ کے ملکوں کی سازشوں سے پریشانی بڑھ گئی تھی، اور ملک بین الاقوامی طور پر بہت مقروض ہو گیا تھا جس سے دشمنوں نے فائدہ اٹھایا اور خلافت عثمانیہ کے کمزور اور بدحال ہو جانے میں اس کا بھی دخل تھا، مصطفیٰ کمال کی آمد سے بڑی توقعات قائم کی گئی تھیں ان کو مصیبتوں سے نجات دہندہ سمجھ لیا گیا تھا مغربی طاقتوں سے ان کے تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے لہٰذا یہ سمجھا گیا تھا کہ وہ گرتے ہوئے حالات کو بہتر بنائیں گے، لیکن انہوں نے مذہبی اثر کو گھٹانے اور اس کے آثار و علامات کو کمزور

کرنے اور رسم خط کو بدلنے اور قومیت کے نعرہ کو محبوب بنانے پر زیادہ محنت کی اور خود رائی عیش اور اپنی شخصی عظمت کی زیادہ فکر کی جس کی تفصیلات اب خود بعض ترک محققین نے شائع کر دی ہیں ایسے میں ملک کی حقیقی ترقی اور بہتری کہاں تک ہو سکتی تھی، افسوس یہ ہے کہ تمام مشرقی ممالک کی یہ ایک بڑی آزمائش ہے کہ مغربی طاقتیں ان کے حکمرانوں کو منفی کاموں میں لگا کر ان ملکوں کو کمزور اور سیاسی و اقتصادی نظام کو ابتر بنا دیتی ہیں، اور مشرقی ممالک کے یہ حکمران جو مغربی طاقتوں کی خفیہ پشت پناہی سے اور گرم و دلکش نعروں کے ذریعہ برسر اقتدار آ جاتے ہیں، صرف ذیلی اصلاحات اور تبدیلیوں پر محنت صرف کرتے ہیں چنانچہ ان کے ملک گرتے چلے جاتے ہیں، انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک مسلمان اور غیر مسلمان تمام ملکوں کا کم و بیش یہی حال ہے، سب جگہ یورپ کے معتقدوں کی حکومت ہے اور یہ معتقد ملک کے عظیم لوگ کہے جاتے ہیں، لیکن ان میں سے متعدد کو دیکھا گیا کہ انہوں نے اپنے متعدد اقدامات میں غبی لوگوں کا کردار ادا کیا، سفرنامہ کی خوشگواری ختم ہو جانے کا خطرہ ہے، ورنہ اس کی مثالیں دیر تک بیان کی جا سکتی ہیں اور اخبارات کو سنجیدگی سے پڑھنے والے لوگ ایسی مثالوں سے عموماً واقف بھی ہیں دلچسپ بات یہ ہے کہ سب جمہوریت کے نام سے ہوتا ہے لیکن یہ جمہوریت کا جھنڈا بلند کرنے والے اپنی اپنی ذاتی زندگیوں اور شخصی کردار میں نوابوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور جمہوریت کے سربراہوں کی زندگی اور راحت و سکون کے انتظامات کو دیکھا جاتے تو بادشاہوں کے نظام زندگی سے کوئی فرق نہ ملے گا، بس یہ ہے کہ ملکیتی نظام میں لوگ وسائل و دولت کو اپنی ذاتی کہہ کر استعمال کرتے ہیں اور جمہوری نظام میں وہ وسائل و دولت قوم کی قرار دی جاتی ہے لیکن اس کے متولیوں کے تصرف میں ذاتی ملکیت کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آتی ہے،

ترکی میں مصطفیٰ کمال کی آمد سے ترکی کی اقتصادی حالت میں بنیادی طور پر سدھار نہیں پیدا ہوا تھا، لوگوں نے بتایا کہ مصطفیٰ کمال کے عہد کے آغاز پر ایک ترکی لیرہ (روپیہ) ایک امریکی ڈالر کے مساوی تھا پھر یہ لیرہ گرتا گیا حتیٰ کہ اب اس کا تناسب یہ رہ گیا ہے کہ تقریباً چار سو لیرے ایک ڈالر کے مساوی ہیں یعنی ایک ترکی لیرہ (روپیہ) ہندوستانی سکے میں صرف چار پیسے کے برابر رہ گیا ہے، لیکن اب سیاحوں کی آمد اور کچھ صنعت و پیداوار کی وجہ سے آمدنی کا معیار خاصا اچھا

ہو گیا ہے اس لئے آمدنی تقریباً مصارف کے حساب سے ہونے لگی ہے، اور قوم بدحالی سے نکل کر خوشحالی کی طرف گامزن ہو رہی ہے۔

اسٹیمر سے ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد استنبول کے ساحل پر لگ گیا، اور ہم لوگ اپنی موٹر پر آ کر بیٹھ گئے اور براہ راست سڑک پر آ کر قیام گاہ واپس پہنچے، وقت تقریباً ڈیڑھ دو بجے کا ہو گیا تھا، شام کے پروگرام میں یوسف کاراجہ کے مکان پر جانا تھا انہوں نے مولانا مدظلہ اور کئی دیگر اہل تعلق کو دعوت دی تھی، شیخ ابن سراج اور حاجی عثمان نوری کیا قیام گاہ پر پہونچا کر چار چھ گھنٹے بعد آنے کا وعدہ کر کے اپنے اپنے مکان واپس ہو گئے اور پھر پانچ بجے بوقت عصر یوسف کاراجہ کے مکان پر جانے کے لئے رہنمائی کرنے تشریف لائے، یوسف کاراجہ کا تذکرہ اس سے قبل کیا جا چکا ہے، وہ ترکی سے ندوہ تعلیم حاصل کرنے بیس سال قبل آئے تھے اور حصول تعلیم میں کئی سال گذار کر واپس ہوئے تھے اس وقت سے وہ برابر مولانا مدظلہ سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے لکھنؤ میں جو ادو سیکھی تھی اس کو قائم رکھا ہے، متعدد اردو کتابوں کا ترکی میں ترجمہ بھی کیا ہے، محبتی آدمی ہیں اسی تعلق و محبت میں آج شام کا وقت اپنے یہاں کے لئے مخصوص کرا رکھا تھا، دیگر حضرات میں استاد محمد قطب اور کئی عرب و ترک حضرات بھی مدعو تھے، ان کا مکان آبنائے باسفورس کے مشرقی پہلو میں ایشیائی حصہ شہر میں واقع ہے اور وسط شہر سے خاصا فاصلہ ہے، آبنائے باسفورس کو قطع کر کے ساحل کے قریب ایک فاصلہ طے کرنے کے بعد ان کا مکان آیا جہاں مغرب کے وقت پہنچنا ہوا، یوسف کراجہ کے مکان پر کھانا بھر ایک عزیزانہ نشست رہی یوسف صاحب نے مسرت کا اظہار کیا، اور مولانا مدظلہ کو باصرار دعوت دیتے رہے کہ استنبول آ کر ماہ ڈیڑھ ماہ ان کے مکان پر محض صحت و آرام کی غرض سے رہیں، یوسف کراجہ کے یہاں سے نکل کر عرب طلباء کی ایک نشست میں شرکت کرنے کا پروگرام طے تھا لیکن یوسف کراجہ کے یہاں پہونچنے میں تاخیر سے عرب طلباء کا پروگرام دشوار ہو گیا لیکن وہ طلباء منتظر تھے بہرحال وہاں جانا ہوا اور صرف چند منٹ مولانا مدظلہ نے گفتگو فرمائی اور قیام گاہ واپس ہوئے۔

دوسرے دن جمعہ کو کوئی قابل ذکر پروگرام نہیں رکھا گیا تھا، کیونکہ اس دن کے اختتام پر واپسی کا سفر تھا، مولانا مدظلہ اور ہمارا ٹکٹ چونکہ کراچی کے راستہ کا تھا، اور معلوم ہوا کہ اس کے لئے ویزا لینا ضروری ہے

بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ ٹرانزٹ کی صورت میں ویزا کی کیا ضرورت ہے لیکن ہوائی کمپنی والوں نے ویزا پر زور دیا چنانچہ جمعہ کے روز یہ کام بھی کرنا تھا لیکن یہ اندازہ نہ تھا کہ اس کام میں چار پانچ گھنٹے لگ جائینگے اور اسکی وجہ سے دن کا خاصا حصہ اس کی نذر ہو جائیگا، بعد ظہر کامیابی ہوئی، جمعہ کی نماز جو کہ مسجد فاتح میں پڑھنے کا پروگرام تھا اور اس موقع سے کئی دوستوں سے ملاقات کا اور اس کے بعد ادب اسلامی کے سلسلہ کی، ایک پریس کانفرنس میں شرکت کرنا بھی تھی، ویزا کی پریشانی میں سب چھوڑنا پڑا، جمعہ کی نماز سفارتخانہ کے قریب کی مسجد میں ادا کی، ادب اسلامی کے سلسلہ کی پریس کانفرنس کو عرب و ترکوں نے ہی خطاب کیا اور مولانا مدظلہ کی مصروفیت کا عذر پیش کرتے ہوئے، شیخ عبدالقدوس ابوصالح نے مولانا مدظلہ کی طرف سے نمائندگی کی، شیخ عبدالقدوس ابوصالح بڑی اچھی طبیعت کے آدمی ہیں اور مولانا مدظلہ سے خصوصی محبت و تعلق رکھتے ہیں وہ شام کے ایک

ممتاز عالم اور ادب عربی کے اچھے استاد ہیں رابطہ ادب اسلامی کی عربی شاخ کے وہ نائب صدر بھی ہیں، سفارتخانہ سے فارغ ہو کر مولانا مدظلہ اتفاقاً منتظر احباب کی جگہ پر ملاقات اور دوستوں سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا، ملاقات کر کے قیام گاہ واپسی ہوئی، عصر سے عشاء کے قریب تک قیام گاہ پر رہنا ہوا، اور عشاء کے تھوڑی دیر بعد ہوائی اڈے کو روانگی ہوئی، جہاز کو اصلاً ۳ ½ بجے صبح روانہ ہونا تھا لیکن وہ لیٹ ہوا اور صبح ۴ ½ بجے روانہ ہو سکا، اور اس طرح بخیر استنبول کا سفر پورا ہوا، جمعہ کے روز ہی استنبول پہنچا ہوا تھا اور جمعہ ہی کے روز استنبول سے روانگی ہوئی اور اچھی یادیں لے کر واپسی ہوئی استنبول سے کراچی، دوپہر کے قریب پہنچنا ہوا، وہاں دہلی سے جوڑنے والی پرواز بروقت نہ ملنے کی وجہ سے ۲ ½ دن ٹھہرنا پڑا جس میں اعزہ اور اہل تعلق سے ملاقات کا موقع ملا یکم جولائی کو انڈین ایرلائن کے ذریعہ دہلی واپسی ہوئی۔

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

معتمد تعلیمات

ڈاکٹر مولانا عبد اللہ عباس صاحب کی آمد

ڈاکٹر مولانا عبد اللہ عباس ندوی حسب معمول شوال میں حجاز مقدس سے تشریف لائے اور تعلیمی شعبوں اور طلبہ کے علمی نشاطات کا جائزہ لیا اور حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کے مشورہ سے طلبہ کے علمی معیار و استعداد کو بلند کرنے کے لئے کچھ اہم تجویزیں اور ان کو عملی طور پر نافذ کرنے کی فکر میں حصہ لیا۔ مولانا کی طلبہ میں کئی علمی تقریریں بھی ہوئیں اور درجات علیا کے طلبہ میں اپنے دوران قیام محاضرات (لکچرس) بھی دیئے جس سے طلباء میں فکری صلاحیت اور ذوق مطالعہ کو بڑھانے کا حوصلہ پیدا کیا۔ مولانا نے یہ بھی ارادہ ظاہر فرمایا کہ سال کے درمیان بھی آتے اور طلبہ کی علمی نگرانی فرماتے رہیں گے۔

:- دعائے مغفرت -:

مولوی محمد ابراہیم صاحب ندوی (بمبئی) کے والد بزرگوار جناب الحاج عبد الرحیم صاحب کا ۱۹ اگست ۱۹۹۶ء کو بمبئی میں انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے نیک دل اور دینی کاموں سے دلچسپی رکھنے والے تھے تبلیغی جماعت کے مقامی پروگراموں میں برابر حصہ لیتے تھے، اور اپنے ندوی صاحبزادہ مولوی ابراہیم کو جوان کے لڑکوں میں سب سے بڑے ہیں اور کاروبار میں وہی ان کے دست و بازو ہیں، جب جماعت میں جانے کا تقاضا ہوتا مرحوم خوشی اور انشراح کے ساتھ جانے دیتے، باہر ملکوں کی جماعت میں بھی جانا ہوا حاجی صاحب مرحوم نے بڑی خوشی کے ساتھ جانے دیا، مرحوم کی خوش نصیبی ہے کہ مولوی ابراہیم انتقال کے وقت بھی ایک چلہ کی جماعت میں نکلے ہوئے تھے مرحوم کو ندوۃ العلماء سے بڑا تعلق تھا اپنے بچوں کو دار العلوم میں داخل فرمایا اس کی اعانت میں صرف یہ کہ دل کھول کر حصہ لیتے تھے بلکہ دوسرے احباب کو بھی متوجہ فرماتے تھے، ادارہ تعمیر حیات مرحوم کے پسماندگان کو تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

بقیہ عالم اسلام ص ۱۲ کا

نمبر	ملک کا نام	آبادی
۴	امریکہ	۲۴۱٫۲ ملین
۵	انڈونیشیا	۱۷۸٫ ملین
۶	برازیل	۱۴۳٫ ملین
۷	جاپان	۱۲۳٫ ملین
۸	نائیجیریا	۱۰۵٫ ملین
۹	بنگلہ دیش	۱۰۴٫ ملین
۱۰	پاکستان	۱۰۲٫ ملین
۱۱	میکسیکو	۸۲٫ ملین
۱۲	ویت نام	۶۲٫ ملین
۱۳	مغربی جرمنی	۶۱٫ ملین
۱۴	فلپائن	۵۸٫ ملین
۱۵	اٹلی	۵۷٫ ملین
۱۶	برطانیہ	۵۷٫ ملین
۱۷	فرانس	۵۵ ملین
۱۸	تھائی لینڈ	۵۳ ملین
۱۹	ترکی	۵۲ ملین
۲۰	مصر	۵۱ ملین
	کل آبادی موجودہ	۴٫۹ بلین

۲۱۰۰ء

نمبر	ملک کا نام	متوقع آبادی
۱	بھارت	۱۶۳۲ ملین
۲	چین	۱۵۷۱ ملین
۳	نائیجیریا	۵۰۹ ملین
۴	روس	۳۷۰ ملین
۵	انڈونیشیا	۳۵۶ ملین
۶	پاکستان	۳۱۶ ملین
۷	امریکہ	۳۰۹ ملین
۸	بنگلہ دیش	۲۹۷ ملین
۹	برازیل	۲۹۳ ملین
۱۰	میکسیکو	۱۹۵ ملین
۱۱	ایتھوپیا	۱۷۳ ملین
۱۲	ویت نام	۱۶۸ ملین
۱۳	ایران	۱۶۳ ملین
۱۴	زائر	۱۳۹ ملین
۱۵	جاپان	۱۲۸ ملین
۱۶	فلپائن	۱۲۵ ملین
۱۷	تنزانیہ	۱۲۰ ملین
۱۸	کینیا	۱۱۶ ملین
۱۹	برما	۱۱۲ ملین
۲۰	مصر	۱۱۱ ملین
	کل آبادی متوقع	۱۰٫۴ بلین

ادارے کی سالانہ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صرف ۲۰۲۵ء تک دنیا کی موجودہ ۴٫۹ بلین آبادی میں مزید ۳٫۴ بلین آبادی کا جو اضافہ ہوگا اس میں سے ۳٫۱ بلین تعداد کا اضافہ افریقہ جنوبی ایشیا اور لاطینی امریکہ کے ممالک میں اور صرف ۳. بلین آبادی کا اضافہ یورپ، امریکہ، جاپان اور روس ہوگا اس انکشاف کے بعد یورپ و ترقی یافتہ ممالک یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ فی الوقت دنیا کی کل آبادی کا ۲۴ فیصد ہیں جو ۲۰۲۵ء میں گھٹ کر ۱۷ فیصد اور اگلی صدی کے اختتام تک ۱۲ فیصد ہو جائے گا ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ دنیا کے درمیان تناسب آبادی کا اس حد تک بگاڑ ترقی یافتہ قوموں و ملکوں کے لئے مشکلات بھی پیدا کر سکتا ہے کیونکہ یہ سوال ہنوز تصفیہ طلب ہے کہ اگلی صدی کے اختتام تک جب بھوک و افلاس کے سمندر میں ڈوبی ہوئی غیر ترقی یافتہ دنیا میں ان چند خوشحال ملکوں کا وجود جزیروں کی شکل اختیار کرے گا تو پھر جنتے نما ممالک غریب انسانوں کی ان خوشحال خطوں کو منتقلی آبادی کے طوفان کو بھی روک سکیں گے یا نہیں کیونکہ مواصلات و آمد و رفت کے جدید ذرائع کی ایجاد کے بعد سرحدیں پار کر کے انتقال آبادی کے کسی عمل کو روکنا ناممکن تو مشکل ضرور نظر آتا ہے۔ آبادی میں اضافے کے اس متوقع سیلاب میں ترقی یافتہ قومیں کم نقصانات اور غیر ترقی یافتہ قومیں مزید غربت و بیماری کا شکار ہوں گی مگر دشواریوں و تکالیف کا زیادہ نشانہ ترقی پذیر ممالک ہوں گے کیونکہ اگر انھوں نے بھی اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے موثر قابل عمل اور ہنگامی منصوبہ بندیاں نہ کیں تو ان کا پورا نظام تہس نہس ہو جائے گا اور وہ تباہی کے ایسے غار میں گر جائیں گے جس سے نکلنا ناممکن ہوگا

ہم کس کا لہو بہا رہے ہیں؟

ڈاکٹر رمیش پرشاد گرگ آتش

ہندوستان کو آزاد ہوئے ۳۹ سال ہو گئے۔ اور اب ہم چالیسواں یوم آزادی منانے جا رہے ہیں۔ اتنا طویل عرصہ کسی قوم کی اصلاح کے لئے کافی ہے بشرطیکہ وہ اپنی اصلاح کو تیار ہو۔ ہم ہندستانی اگر ۳۹ سال میں نہ سدھرے تو اس کا کون ذمہ دار ہے ؟

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

آزادی سے قبل ہم آپس میں ایک دوسرے کا لہو بہاتے تھے اور یہ کہکر مطمئن ہو جاتے تھے کہ انگریز ہمیں لڑا رہے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم ہندستانی متحد نہ ہوں۔ کیوں کہ ہمارا اتحاد ان کے لئے خطرہ پیدا کرے گا۔ ان کی حکومت کو کمزور کر دے گا اور آزادی کی تحریک کو تقویت حاصل ہوگی۔ انگریزوں کے دور حکومت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین متعدد جھگڑے ہوئے دونوں نے کم و بیش ایک دوسرے کا لہو بہایا لیکن جب ہم میں اتحاد پیدا ہوا تو انگریزوں کو ہندستان چھوڑ کر جانا پڑا۔ اور انھوں نے ہندستان کو بھارت اور پاکستان دو حصوں میں تقسیم کر کے آزاد کر دیا۔

۱۵ راگست ۱۹۴۷ء ہماری آزادی کا پہلا مبارک دن تھا۔ ہم ایک طویل عرصہ کے بعد آزاد ہوئے تھے۔ ہمیں پوری گرم جوشی سے آزادی کا خیر مقدم کرنا چاہئے تھا لیکن آزادی کے بعد ہم پر فرقہ پرستی کا پاگل پن سوار ہو گیا۔ گوتم، گاندھی، نانک، چشتی کی اس سرزمین پر جس بے دردی کے ساتھ معصوم بچوں، عورتوں، مردوں کا لہو بہایا گیا ان کو تہ تیغ کیا گیا ان کے خون سے ہولی کھیلی گئی نادر، چنگیز اور ہلاکو کی روحیں بھی ان مظالم کو دیکھ کر کانپ اٹھیں۔ انسانی درندوں نے نہ مہاتما گاندھی کی اپیل کا خیال کیا نہ جواہر لعل نہرو کے پیغام کا۔ حیوانیت کا اس سے بڑا مظاہرہ اور کیا ہوگا کہ جس باپو کی رہنمائی میں ہندستان کو آزادی حاصل ہوئی اسی کو آر ایس ایس کے ایک سرگرم رکن ناتھورام گوڈسے نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ باپو کو دیش کی آزادی کا یہی صلہ دیا۔ ایک ہندو فرقہ پرست نے اہنسا کے باپو ہندوؤں مسلمانوں اور دیگر افراد کے مابین اتحاد کی جو کوشش کر رہے ہیں ان پر پانی پھیر دیا جائے۔ باپو کا قتل ایک سازش کے تحت کیا گیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ باپو امن و اتحاد پیدا کرنے کی جو کوشش کر رہے ہیں وہ ناکام ہو جائے اور ہوا بھی یہی باپو کے بعد بھارت کی سرزمین پر ۳۸ برسوں میں جتنے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے دنیا کے کسی ملک میں ان کی نظیر نہ ملے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کا لہو بہانا بھی اس ملک کے رسم و رواج میں شامل ہو گیا ہے۔

بنگال۔ آسام۔ بہار۔ اتر پردیش۔ راجستھان، کرناٹک، آندھرا پردیش، جموں کشمیر اڑیسہ۔ گجرات، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر ہر جگہ انسانوں کے لہو سے ہولی کھیلی گئی۔ ملک کی راجدھانی دہلی تک محفوظ نہیں۔ پنجاب میں ہر روز کسی نہ کسی کا لہو بہایا جا رہا ہے۔ کہیں ہندو مسلم فساد بھڑک اٹھتا ہے کہیں ہندو سکھ آپس میں لڑ جاتے ہیں کہیں ذات برادری کے نام پر ہندوؤں کے مابین جھگڑا ہو جاتا ہے۔ مذہب ذات پات زبان اور صوبہ کے نام پر لوگ ایک دوسرے کا لہو بہا رہے ہیں۔ لہو بہانے کا یہ سلسلہ آخر کب تک چلتا رہے گا کہا نہیں جا سکتا۔ جب یہ لوگ خود انسان نہ بنیں گے ان کو حیوانیت سے کون روک سکے گا۔ یہ کام حکومت کا ہے کہ اگر لوگ حیوانیت سے باز نہ آئیں تو ان پر سختی سے قابو پایا جائے۔ اور حکومت نہ جانے کس مصلحت سے آر ایس ایس، شیو سینا، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل وغیرہ جماعتوں کو ملک میں فرقہ واریت پھیلانے کی کھلی چھوٹ دیے ہوئے ہے۔ فرقہ پرستی بہت بری چیز ہے لیکن اکثریت کی فرقہ پرستی اور بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اس سے ملک میں تباہی اور بربادی پھیلتی ہے، بدامنی اور لاقانونیت کا بول بالا ہوتا ہے۔ ہندستان میں چونکہ اکثریت ہندوؤں کی ہے اس لئے اس کی حفاظت کی سب سے زیادہ ذمہ داری انھیں پر عائد ہوتی ہے۔ اکثریت کو اقلیت کا اعتماد حاصل کرنا چاہئے۔ مسلمان اور سکھ عیسائی وغیرہ کو انھیں محبت اور پیار سے گلے لگانا چاہئے۔ ان کے خلاف زہر افشانی کرنے سے اقلیتوں کا دل ٹوٹے گا۔ اگر وہ اقلیت کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھ کر پیار دیں گے تو اقلیت کے لوگ بھی ان کو اپنا بڑا بھائی مان کر ان کا احترام کریں گے۔

ہندستان کی آزادی میں سب نے اپنا لہو بہایا ہے۔ یہ ملک سب کا ہے۔ بھگت سنگھ اشفاق اللہ خاں۔ اودھم سنگھ اور رام پرشاد بسمل سب کا خون اس میں شامل ہے۔ اس لئے ایک فرقہ تنہا اس ملک کا مالک نہیں بن سکتا ہے۔ آج کچھ لوگ اسے ہندو اسٹیٹ بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ ان کی نادانی ہے۔ کچھ لوگ علاقہ پرستی کی بنیاد پر آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس ملک کا مفاد اس بات میں ہے کہ پورا ملک متحد رہے۔ ایک صوبہ کا آدمی دوسرے صوبہ میں عزت کے ساتھ رہ سکے۔ اسے وہاں کاروبار کرنے کی پوری آزادی ہو۔ صوبہ پرستی کی لعنت ہم سب کو تباہ کر دے گی۔

آزادی سے قبل گجرات کے موہن داس کرم چند گاندھی کو پورے ملک نے اپنا سمجھ کر ان کی قیادت میں دیس کی آزادی کی لڑائی لڑی اور انھیں مہاتما گاندھی اور بابائے قوم مانا۔ بنگال کے سبھاش چندر بوس کو پورے ملک نے نیتا جی تسلیم کر لیا۔ اتر پردیش کے پنڈت جواہر لعل نہرو کو مشترکہ ہندستان کا وزیر اعظم تسلیم کیا گیا۔ پنجاب کے اقبال کا ترانہ "سارے جہاں سے اچھا ہندستاں ہمارا" سارے ملک کے لوگوں نے بلا تفریق مذہب و ملت گایا۔ آزادی کے بعد بھی مرکزی حکومت میں ہر صوبہ کو اسی مقصد کے تحت نمائندگی دی گئی۔

پھر اتر پردیش کے جواہر لعل نہرو وزیر اعظم بنے تو گجرات کے نائب سردار پٹیل کو نائب وزیر اعظم کا عہدہ دیا گیا۔ بہار کے راجندر پرشاد کو صدر اور بابو جگجیون رام کو مرکزی کابینہ میں جگہ دی گئی۔ اس طرح اگر اتر بھارت کے جواہر لعل نہرو، لال بہادر شاستری، مسز اندرا گاندھی چودھری چرن سنگھ اور راجیو گاندھی ملک کے وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے تو جنوبی ہندستان کے راج گوپالاچاری گورنر جنرل، رادھا کرشنن، وی وی گری، نیلم سنجیوا ریڈی کو صدر جمہوریہ کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔ اقلیتی فرقہ کی دل شکنی نہ ہو اس کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین اور فخر الدین علی احمد (آسام) کو صدر جمہوریہ بنایا گیا۔ موجودہ صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ (پنجاب) بھی اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں سکھوں کی قومی خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر بلدیو سنگھ اور سردار سورن سنگھ کو وزیر دفاع مقرر کیا گیا۔ موجودہ وزیر داخلہ بوٹا سنگھ بھی سکھ فرقہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ محمد رفیع قدوائی، عبدالغفور، ضیاء الرحمن انصاری، غلام نبی آزاد، مفتی سعید، عارف محمد خان، کو مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے مرکز میں جگہ دی گئی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ یہ ملک سیکولر، سوشلسٹ اور جمہوری ہے۔ لیکن بلراج مدھوک، بکرم ساورکر، بالا داؤ دیورس اس ملک سے سیکولرازم کو مٹانا اور اسے خالص ہندو راشٹر بنانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں سے تو انھیں پیدائشی بغض ہے۔ لیکن اگر ایمانداری سے دیکھا جائے تو یہ عام ہندوؤں کے بھی دوست نہیں ہیں۔ یہ بعض ایک مخصوص طبقہ (اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی نمائندہ حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور پچھڑے طبقے کے ہندوؤں کو ان کا غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ مذہب کے نام پر منافرت پیدا کر کے قومی اتحاد کا شیرازہ بکھیرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ حکومت کو اس طرح کی سبھی فرقہ پرست جماعتوں پر پابندی عائد کر کے فرقہ پرستی کو بڑھاوا دینے والے سبھی افراد کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے کر دینا چاہئے یہ لوگ آزادی کے دشمن ہیں۔

آج باہری طاقتیں ہمیں تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی ہیں اگر ہم متحد رہیں تو وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن اصل خطرہ باہر نہیں اپنے ہی ملک کے فرقہ پرستوں سے ہے اس لئے ہمیں سب سے پہلے اپنے ملک کے اندر اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت ہے اس کے لئے ہمیں یہ عہد کرنا چاہئے کہ ہم بلاوجہ کسی معصوم اور بے گناہ انسان کا لہو نہیں بہائیں گے۔ اگر ملک کی آزادی اور جمہوریت کو خطرہ لاحق ہوا تو اپنے لہو کا آخری قطرہ بھی مادر وطن پر بہانے سے دریغ نہ کریں گے۔ جب تک ایسا نہ ہوگا ہماری آزادی خطرہ میں رہے گی۔

:- قارئین کرام سے :-

تعمیر حیات کے بہت سے قارئین کرام اپنی مصروفیت کی وجہ سے چندہ بھیجنے میں تاخیر کرتے ہیں ایسے حضرات کی خدمت میں خطوط روانہ کر دیے گئے ہیں امید ہے کرم جلد بھیج کر خسارہ پر چلنے والے اس رسالہ کو مزید خسارہ سے بچائیں گے (منیجر)

عالم اسلام

محمود الازہار ندوی

روس افغان معاشرے کے اسلامی تشخص کو کمیونسٹ معاشرے میں تبدیل کر رہا ہے

روس افغان معاشرے کے اسلامی تشخص کو ختم کر کے کسی طرح اسے کمیونسٹ معاشرے میں تبدیل کر رہا ہے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے ولیم ایمن نے انٹرنیشنل ہرالڈ ٹریبیون میں لکھا ہے کہ ۹ سال تک کے بچے سڑک پر کسی غیر ملکی کو دیکھتے ہیں تو روسی زبان میں ہیلو کامریڈ کہہ کر اس کا خیر مقدم کرتے ہیں، انکے خیال میں افغانستان آنے والا ہر غیر ملکی روسی زبان جانتا ہے، افغان معاشرے پر اثر انداز ہونے کے لئے پرائمری اسکولوں کی سطح پر بھی روسی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنا دیا گیا ہے اور اب کابل بالکل ماسکو کی طرح لگتا ہے، ملک میں ہزاروں روسی فنی ماہرین کام کر رہے ہیں افغان حکومت چلانے کے لئے بھی روس نے اپنے مشیر مقرر کر رکھے ہیں اور فوج میں بھی وہ اوپر سے نیچے بٹالین کی سطح تک موجود ہیں، روس کی خفیہ پولیس کے، جی، بی افغان خفیہ پولیس کی کارروائیوں کی نگرانی کرتی ہے۔ فیکٹریوں تک میں بڑی تعداد میں روسی مشیر رکھے گئے ہیں، لاکھوں بچوں کو تربیت کے لئے روس بھیجا جا چکا ہے، آئندہ دس سالوں تک وہاں تعلیم پائیں گے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود دونوں ملکوں میں نفرت اور کشیدگی کی فضا بھی پائی جاتی ہے اور مغربی سفارتکاروں کو خطرہ ہے کہ جن علاقوں کو محفوظ کہا جاتا ہے وہاں بھی انکی جانیں مجاہدین کے ہاتھوں خطرے میں پڑ سکتی ہیں، خود ایک روسی صحافی کا کہنا ہے کہ کابل کی سڑکوں پر روسی زبان بولنا خطرے سے خالی نہیں پتہ نہیں کون حملہ کر دے اور جان کے لالے پڑ جائیں، کابل شہر میں روسی فوجی شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں اور اس پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ روسی فوجیوں کو دیکھ کر عوام مشتعل نہ ہو جائیں کیونکہ روسیوں اور افغانوں میں ذاتی سطح پر دوستیاں پروان نہیں چڑھ سکیں، تاہم افغان معاشرے کو روسی رنگ میں رنگنے کا مقصد یہ ہے کہ افغانوں پر اسلام کے گہرے اثرات کو ختم کیا جا سکے اور اس کام میں کابل کی پٹھو حکومت روس کے اشاروں پر ناچ رہی ہے کیونکہ روس نے معاشی طور پر افغانستان کو اس قابل نہیں چھوڑا ہے کہ وہ اسکے انحصار کے بغیر جی سکے، افغانستان کی واحد بڑی آمدنی گیس ہے اور اس کا سب سے بڑا خریدار روس ہے، چین خوردنی تیل اور چاول کی قیمتوں کو کم کرنے کے لئے افغانستان کو مالی امداد دے رہا ہے، اسلام کے بارے میں روسی نہایت احتیاط سے کام لے رہے ہیں کیونکہ ملک کے ۹۸ فیصد باشندوں کا مذہب اسلام ہے اور روسی حکمران اب مذہبی تقاریب میں بھی حصہ لینے لگے ہیں تاکہ عوام کے اس تاثر کو زائل کیا جا سکے کہ افغانستان کی کمیونسٹ حکومت اسلام کو ختم کرنا چاہتی ہے، حال ہی میں کابل کے اخبار میں ببرک کارمل اور جنرل نجیب اللہ کو عید کی نماز پڑھتے ہوئے دکھایا گیا، اس کے علاوہ حال ہی میں وزارت مذہبی امور قائم کی گئی جس کا مقصد مساجد کے ائمہ اور خطیبوں کا حکومت پر مالی انحصار بڑھانا ہے۔

ترکی میں جنسی رسائل و جرائد پر پابندیاں

ترکی میں فحش تصویروں اور تحریروں کی اشاعت پر پابندی کے لئے قانون کے تحت جنسی رسائل و جرائد کا کاروبار بری طرح متاثر ہوا ہے ترکی کے اخبار ڈیلی نیوز کے مطابق ان میں "پلے بوائے" کا ترکی ایڈیشن سر فہرست ہے جس کے خلاف گزشتہ اپریل اور مئی کے شماروں کی بنیاد پر مقدمہ جلد شروع ہونے کی توقع ہے اخبار کے مطابق مذکورہ اشاعتوں پر کارروائی کی صورت میں "پلے بوائے" پر ۷۰ لاکھ ۷۰ ہزار ڈالر تک جرمانہ عائد کیا جا سکے گا، جب کہ رسالہ کے مدیر کو ۱۰ لاکھ ۷۰ ہزار ڈالر جرمانے اور عدم ادائیگی کی صورت میں ۳ سال تک سزائے قید دی جا سکے گی، ایک اور پرچہ "پلے مین" ہے جس پر گزشتہ اپریل کے شمارے کی بنیاد پر ۳ لاکھ ۸۵ ہزار ڈالر تک جرمانہ متوقع ہے، ترکی حکمران جماعت مدر لینڈ پارٹی کا کہنا ہے کہ نئے قانون کے نفاذ کا مقصد ۱۸ سال سے کم عمر کے افراد کو جنسی ترغیبات سے محفوظ رکھنا ہے جب کہ بعض ناقدین کے خیال میں نئے قانون کا مقصد مذہبی فرقے کو خوش کرنا اور اس سے ووٹ حاصل کرنا ہے مذکورہ قانون کے نفاذ کے بعد جنسی رسائل و جرائد اب پلاسٹک کے تھیلوں میں فروخت کئے جا رہے ہیں، اور ان پر "۱۸ سال سے کم عمر کے افراد کے لئے نقصان دہ" الفاظ درج ہیں علاوہ ازیں مطبوعات پر بے گھر افراد کی مدد کے لئے ۲۵ فیصد ٹیکس وصول کیا جا رہا ہے، ان اقدامات کے نتیجے میں "پلے بوائے" کے ایک شمارے کی قیمت اب ۲٫۸۵ ڈالر تک پہونچ گئی ہے، جب کہ اسکی اشاعت ۴۰ ہزار سے گھٹ کر ۸ ہزار رہ گئی ہے۔

جہیزی اموات

لوک سبھا میں ایک سوال کے تحریری جواب میں بتایا گیا کہ جہیزی اموات کے خلاف سخت تر قوانین اور ان قوانین کی بڑے پیمانے پر تشہیر کے باوجود ملک میں جہیزی اموات میں اضافہ ہو رہا ہے یوپی میں ۱۹۸۴ میں جہیزی اموات کی تعداد ۱۸۲ تھی، ان میں جلنے اور خودکشی سے ہونے والی اموات بھی شامل ہیں۔

۱۹۸۵ میں اس قسم کی اموات کی تعداد ۲۲۳ ہو گئی اور اس سال کے پہلے چار ماہ میں ۱۱۰ معاملات کا اندراج ہوا ہے مہاراشٹر میں ۱۹۸۴ میں جہیزی اموات کی تعداد ۱۲۴ اور ۱۹۸۵ء میں ۱۳۶ تھی، اس سال کے پہلے تین ماہ میں یہ تعداد ۳۲ تھی ہریانہ میں اس قسم کی اموات کی تعداد ۱۹۸۴ میں ۵۴ اور ۱۹۸۵ء میں ۹۹ اور اسی سال مئی تک ۴۲ تھی پنجاب اور راجستھان اور کرناٹک میں ہر سال اوسطاً ۳۰ سے ۳۵ جہیزی اموات کی خبریں ملی ہیں، سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جہیزی اموات صرف شمالی ہندستان میں ہی نہیں واقع ہوئیں بلکہ یہ بیماری ملک گیر ہے۔

مسٹر چدمبرم نے بتایا کہ ۱۹۸۰ سے اب تک ملک میں ۲۱۳۷ جہیزی اموات ہوئیں اس کے بعد مہاراشٹر ۱۹۲، ہریانہ ۲۱۷، پنجاب ۹۸، راجستھان ۸۸، کرناٹک ۸۱ کا نمبر ہے، انہوں نے مزید کہا کہ دہلی میں ۱۹۸۵ میں ۳۵۸ عورتیں جلا دی گئیں یا جل کر ہلاک ہوئیں اس سال جون تک اس طرح ہلاک ہونے والی عورتوں کی تعداد ۱۹۰ تھی۔

قربانی کا گوشت غریبوں اور مہاجرین کو بھیجا جائے گا۔

حج کے دوران سعودی عرب میں قربان کی جانے والی تقریباً ۳ لاکھ ۵۰ ہزار بھیڑوں کا گوشت تیرہ ممالک میں غرباء اور مسلم مہاجرین کے لئے بھیجا جائے گا ان ممالک میں مصر، شام، بنگلہ دیش، پاکستان اردن، جنوبی یمن، جیبوتی، سوڈان، چاڈ، گمبیا، سینیگال، برکینا فاسو، اور ماریطانیہ شامل ہیں۔

بلجیم اور مغربی جرمنی پاکستان کو ایٹمی پلانٹ فراہم کریں گے۔

پاکستان نے ۲ سال قبل ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کی تنصیب کے لئے بین الاقوامی ٹینڈر طلب کئے تھے اس کے جواب میں مختلف ممالک نے پیش کش کی ہیں اس کا انکشاف لندن میں مسلم ذرائع ابلاغ کی شائع ہونے والی رپورٹ میں کیا گیا ہے، رپورٹ کے مطابق دوسرے ممالک کے علاوہ بلجیم اور مغربی جرمنی نے بھی پاکستان میں ری پروسیسنگ پلانٹ کی تنصیب کی پیشکش کی ہے جبکہ فرانس بھی پاکستان کو پلانٹ فراہم نہ کرنے کے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر رہا ہے یہ بات قابل ذکر ہے امریکی حکومت کے دباؤ کے بعد فرانس نے پاکستان کو ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کی فراہمی سے انکار کر دیا تھا۔

ایٹمی توانائی کے حصول کیلئے ایشیا کی کوششیں

چرنوبل (روس)، کے ایٹمی پلانٹ میں حالیہ حادثے کے بعد دنیا کے دوسرے حصوں کی طرح ایشیا میں بھی ایٹمی توانائی کے فوائد اور نقصانات کے سلسلے میں ایک نئی بحث شروع ہو گئی ہے تاہم وہ اقوام جنھوں نے ایٹمی توانائی کی ضروریات پوری کرنے

کے لئے ایٹمی توانائی کے حصول کو اپنی منزل بنالیا ہے خطرات اور نقصانات کے خدشات سے قطع نظر اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں ہانگ کانگ سے شائع ہونے والے ایشیا ویک کی ایک رپورٹ کے مطابق جاپان، جمہوریہ کوریا (جنوبی کوریا) اور تائیوان میں توانائی سے متعلق تمام مسائل کے حل کے لئے ایٹمی توانائی کو ہر مرض کی دوا سمجھا جاتا ہے اور ان ممالک میں حقیقتاً ١٩٧٠ء کے بعد سے ایٹمی توانائی کے پلانٹس کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوا ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے پلانٹس کی تعداد ١٩٧٩ء میں ٢٦ تھی جو ١٩٨٤ء میں بڑھ کر ٤٥ ہوگئی ایشیائی ممالک میں جاپان سرفہرست ہے جہاں ٣٢ نیوکلیر پاور اسٹیشن اُن ٹھ بڑی انرجی کمپنیوں کی ملکیت ہیں، ایشیا کے تمام ملکوں کی مجموعی تجارتی استعداد بھی جاپان سے زائد نہیں جاپان میں چونکہ کوئلہ و تیل نہیں لہٰذا اس ملک نے اپنی عظیم اقتصادی مشین کو چلانے کے لئے ایٹمی توانائی کو بڑے پیمانے پر اپنایا ہے اور جاپان کے ایٹمی بجلی گھر ملک کی بجلی کی ضروریات کا ٢٦ فیصد پورا کرتے ہیں جاپانی حکومت بھی آنے والے برسوں میں توانائی کی ضروریات کو پوری کرنے کیلئے ١٩٩٤ء تک ایٹمی توانائی کے حصے کو ٣٤ فیصد تک بڑھانے کا ارادہ رکھتی ہے اور اس مقصد کے لئے جاپان کی پاور کمپنیاں ١٦ مزید ایٹمی بجلی گھر بنارہی ہیں یا اس سلسلے میں منصوبہ بندی کررہی ہیں اور وہ ١١ ایٹمی گھروں کی تعمیر کی اجازت حاصل کرنے کے لئے حکام کے پاس بلیو پرنٹس پیش کریں گی۔ جنوبی کوریا میں چار ایٹمی بجلی گھر زیر تعمیر اور دو منصوبہ بندی کے مرحلے میں ہیں بھارت میں دو ایٹمی بجلی گھر بنائے جارہے ہیں اور ایک مزید ایٹمی بجلی گھر کی تعمیر کیلئے منصوبہ بندی ہورہی ہے دریں اثنا عوامی جمہوریہ چین نے حال ہی میں ایٹمی توانائی کو تجارتی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی منظوری دیدی ہے، حکومت کے زیر اہتمام ساحلی صوبے زمجیانگ میں ایک ایٹمی بجلی گھر کی تعمیر کا کام ہورہا ہے جبکہ ہانگ کانگ کے نزدیک خلیج دیا میں دوسرے مجوزہ ایٹمی بجلی گھر کی تعمیر کے سلسلے میں تنازع کھڑا ہوسکتا ہے، تائیوان جہاں تین بجلی گھر کام کررہے ہیں، چوتھے کی تعمیر کی منصوبہ بندی کررہا ہے، جبکہ پاکستان دوسرے ایٹمی بجلی گھر کی تعمیر کا خواہشمند ہے ایشیا ویک کی رپورٹ

کے مطابق جنوبی کوریا نے ایٹمی توانائی کے حصول کے شعبے میں پہلے ہی بڑی کامیابی حاصل کرلی ہے، انہوں نے ١٩٧٨ء میں ایٹمی بجلی گھروں کی تنصیب شروع کی تھی اور اب اس ملک میں پانچ ایٹمی بجلی گھر کام کررہے ہیں، جن کی مجموعی گنجائش تین ہزار آٹھ سو دس میگاواٹ ہے ان میں سے چار ویسٹنگ ہاؤس کے ڈیزائن کردہ پریشرائزڈ واٹر ری ایکٹر ہیں جبکہ پانچواں کینیڈا کے تیار کردہ ڈیزائن پر بھاری پانی کے استعمال کے تحت بنایا گیا ہے، جنوبی کوریا کی توانائی کی ضرورت کا پانچواں حصہ ایٹمی بجلی گھروں سے حاصل ہونے والی توانائی سے پورا کیا جاتا ہے، کوریا الیکٹرک کارپوریشن جو ان ایٹمی بجلی گھروں کی مالک اور انہیں چلاتی ہے، اگلے دس سال کے دوران ایٹمی توانائی میں تین گنا اضافے کی منصوبہ بندی کررہی ہے اس قسم کے منصوبوں نے بجلی کی توانائی کے بہتات کے خدشات کو جنم دیا ہے، ١٩٧٠ء اور اس کے بعد کے برسوں میں کوریا کی بجلی کی ضرورت میں ١٥ فیصد سالانہ کے حساب سے اضافہ ہوا ١٩٨٠ء کے بعد کے برسوں میں دس فیصد سالانہ سے بھی کم ہوکر رہ گیا اور ١٩٨٥ء میں صرف ٤ اعشاریہ آٹھ فیصد رہا جنوبی کوریا میں ایٹمی بجلی کی لاگت بھی بہت زیادہ ہے، جو بیرونی قرضوں میں تیزی سے اضافہ کا باعث بن رہی ہے ١٩٨٥ء میں کوریا کے ٤٦ اعشاریہ ٧ ارب امریکی ڈالر کی مالیت کے غیر ملکی قرضے میں ایٹمی بجلی گھروں کی تعمیر کی لاگت ١٠ اعشاریہ ٩ فیصد رہی کوریا کے باشندوں کے لئے یہ امر بھی تشویشناک ہے کہ ١٩٧٨ء اور ١٩٨٥ء کے دوران ایٹمی بجلی گھروں کو آلات فیل ہوجانے کے سبب ١٢٢ بار بند کردیا گیا حفاظتی اقدام کے سلسلے میں تائیوان میں بھی تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے جزیرے کے شمال میں واقع بینگ چن کے ایٹمی بجلی گھر میں ایک سال قبل آگ لگ گئی تھی یہ باور کیا جاتا ہے کہ آگ ٹربائن سے میٹل ویسٹ کرنے سے بھڑکی اور تین گھنٹے جاری رہی۔ تائپی میں ایک ایٹمی بجلی کے ایک ماہر نے کہا کہ اگر آگ لگتی تو چرنوبل کی طرح سانحہ ہوتا تائیوان کے باشندوں کیلئے حفاظتی اقدامات سب سے بڑا مسئلہ ہے یہ کہا جاتا ہے کہ بینگ چن ایٹمی بجلی گھر کے کم از کم ١٣ کارکن سرطان میں مبتلا ہوکر انتقال کر گئے جبکہ پلانٹ سے متصل آبی ذخائر میں بڑے پیمانے پر مچھلیوں کے مرنے سے عوام میں خوف پھیلا ہے اسی وجہ سے تائیوان میں ایٹمی

بجلی گھر کی تعمیر کا مسئلہ اب تعطل کا شکار ہوگیا ہے، بھارت میں ریاست راجستھان کے مقام پر کوٹہ اور مدراس میں مقامی طور پر بنائے جانے والے ایٹمی بجلی گھر بھی آلات فیل ہونے کا شکار ہوچکے ہیں مدراس کے ایٹمی بجلی گھر میں نصب شدہ پہلا ری ایکٹر گزشتہ تیس مہینوں میں ٤٥ بار ٹرپ ہوچکا ہے جبکہ راجستھان میں واقع ایک ری ایکٹر کی کارکردگی مقابلتاً بہتر رہی ہے البتہ ملک کے ایٹمی توانائی کے سربراہ نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ راجستھان کے ایٹمی بجلی گھر میں نصب شدہ ایکٹروں میں سے ایک ہمیشہ بیمار رہے گا۔ اس قسم کے مسائل سے قطع نظر بھارت اپنے ایٹمی توانائی کے پروگرام پر عمل درآمد کے سلسلے میں انتہائی سرگرم ہے اور ملک میں وافر مقدار میں پائے جانے والے یورینیم اور تھوریم کے ذخائر (دو اہم خام مال) کے استعمال کے لئے حکومت نے ملک کی ایٹمی توانائی کی پیداوار میں اس صدی کے اختتام تک آٹھ گنا اضافے کی منصوبہ بندی کی ہے، ایشیا ویک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان اپنے ایٹمی توانائی کے پروگرام پر دس سے زائد مدت سے عمل درآمد کررہا ہے اس ملک کا واحد ایٹمی بجلی گھر کراچی میں واقع ہے ١٩٧٢ء میں پیداوار شروع کئے جانے کے باوجود اس بجلی گھر نے قومی سطح پر کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا اور اس سے صرف کراچی کی توانائی کی ضرورت کا ایک معمولی سا حصہ پورا ہوتا ہے جبکہ دریائے سندھ میں چشمہ کے مقام پر ایک دوسرا ایٹمی بجلی گھر قائم کرنے کا منصوبہ مشکلات سے دوچار ہوگیا

بین الاقوامی ادارہ برائے اضافۂ آبادی کے سنسنی خیز اعداد و شمار!

امریکہ کے شہر واشنگٹن میں بین الاقوامی ادارہ برائے اضافۂ آبادی نے پچھلے دنوں اپنے تازہ ترین سروے اور تحقیق کی روشنی میں اعداد و شمار جاری کئے ہیں جن کے مطابق آئندہ صدی کے اختتام تک دنیا کی کل آبادی ٩٫٤ بلین شمار کی جاتی ہے جو ٢١٠٠ء میں بڑھ کر ١٠٫٤ بلین تک پہنچ جائے گی۔ یہاں یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ ١٩٥٠ء کے اختتام پر دنیا کی کل آبادی ٢٫٥ بلین تھی، اور صرف ٣٦ سالوں کے دوران اس تعداد میں دگنا اضافہ ہوگیا ہے یعنی ٤٫٩ بلین تک آج دنیا کی آبادی پہنچ چکی ہے اب اگر اضافۂ آبادی کا موجودہ رجحان ہی باقی رہے تو صرف ٣٦ سالوں کے بعد ہی اعداد و شمار

سامنے آسکتے ہیں جن کا اندازہ ٢١٠٠ء کے لئے لگا رہے ہیں۔ لیکن اس بات کے امکانات اس لئے معدوم ہوگئے ہیں کہ آج کے دور میں مختلف یورپی ممالک اور ترقی یافتہ قوموں نے جدید سائنسی طریقوں سے آبادی کے اضافہ پر قابو پالیا ہے اور اس سمت میں ان کی کوششیں دن بدن جاری ہیں اور ہر لمحہ اس عمل میں تیزی پیدا کررہے ہیں۔

اس سروے سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اگلی صدی کے دوران مغربی جرمنی، برطانیہ، فرانس اور اٹلی جیسے ممالک اپنی آبادی کو بڑھنے سے روکنے میں کامیاب ثابت ہوں گے جبکہ غریب اور غیر ترقی یافتہ ممالک جن میں افریقی ریاستیں نائیجیریا، کینیا، تنزانیہ، زائر، مصر، جنوبی ایشیا کے ممالک بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش، برما کے علاوہ ایران اور انڈونیشیا بھی شامل ہیں۔ اول تو اپنی آبادی کو کنٹرول کرنے

صرف ٣٦ سال میں دنیا کی آبادی میں ١٠٠ فیصد اضافہ ہوا!

کی کوئی قابل عمل کوشش کرہی نہیں رہے ہیں اور اگر کوئی پروگرام جاری بھی ہے تو ان ممالک میں اس کے خاطر خواہ نتائج کی امید کم ہی کی جاتی ہے ادارے کے سربراہ تھامس ڈبلیو مرک نے واشنگٹن میں ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ چین اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ آبادی کا ملک ہے جس کی آبادی ١٫٠٥ بلین تک پہنچ چکی ہے بھارت دوسرے نمبر پر ٧٨٥ ملین آبادی کا ملک ہے اور روس تیسرے نمبر پر ٢٨١ ملین آبادی رکھتا ہے امریکہ ٢٤١ ملین انڈونیشیا ١٦٨ ملین برازیل ١٤٣ ملین جاپان ١٢٢ ملین نائیجیریا ١٠٥ ملین بنگلہ دیش ١٠٤ ملین اور پاکستان ١٠٢ ملین آبادی کے حوالے سے دنیا کے بالترتیب دس بڑے ممالک ہیں اس بین الاقوامی ادارے کی تحقیق کی روشنی میں اس وقت دنیا کی کل آبادی اور سب سے زیادہ آبادی رکھنے والے ٢٠ ممالک کی فہرست و تعداد آبادی چارٹ سے ظاہر ہے جبکہ دوسری طرف آئندہ صدی کے اختتام پر سب سے زیادہ آبادی رکھنے والے ٢٠ ممالک کی فہرست و تعداد آبادی صرف دلچسپ ہی نہیں بلکہ حیرت انگیز بھی ہے جس کا مطالعہ کرنے سے ہی حقائق کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔

تقابلی جائزہ ١٩٨٦ء

نمبر	ملک کا نام	موجودہ آبادی
١	چین	١٫٠٥ ارب لین
٢	بھارت	٧٨٥ ملین
٣	روس	٢٨٠ ملین

بقیہ صفحہ ٩ پر

اہل خیر حضرات سے.....

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

دارالعلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے، اس کے قیام کو بفضلہ تعالیٰ ترانوے سال ہوگئے ہیں خدا کا شکر ہے کہ اس اثنا میں اس نے گراں قدر علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں عرصۂ دراز سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی توجہ اور سرپرستی حاصل ہے جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا ہے اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان حسب توفیق کوشاں ہیں۔

اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ، ترینداد، یوگنڈا، اور دوسرے ممالک کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں مختلف ملکوں سے برابر داخلے کی درخواستیں آتی رہتی ہیں، اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوۃ العلماء کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہاں کے طلباء میں اس کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے، ان اسباب کی بنا پر داخلوں کی تعداد میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہورہا ہے جس کی وجہ سے نئی اقامت گاہوں کی ضرورت پیش آرہی ہے، اس کے علاوہ دارالعلوم کے مختلف شعبوں مثلاً دفاتر، اور مزید رہائشی سہولت کے لئے علیحدہ مستقل عمارتیں درکار ہیں،

رواق نعمانی کے مشرقی بازو کی تکمیل کے باوجود طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے ان کے قیام کے نظم میں دشواری سامنے آتی رہتی ہے خاص طور سے بیرونی طلبہ کے قیام کا کوئی مستقل نظم نہیں ہے، سرپرستوں کے قیام کی سہولت بھی موجودہ اقامت گاہوں کی تنگی کی وجہ سے ممکن نہیں ہوسکی ہے اس لئے مزید اقامت گاہوں کی تعمیر کی ضرورت باقی ہے۔

حضرات اساتذہ کرام کے لئے متعدد رہائشی مکانات کی تعمیر کے باوجود ضرورت باقی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے مزید رہائشی مکانات تعمیر کرنا ہوں گے۔

دار تحفیظ القرآن الکریم:- اس عمارت کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے، جس کے ایک کمرہ کی تعمیر پر تقریباً ٢٥ ہزار کی لاگت آئے گی اپنے نیز اپنے مرحوم اعزہ کی جانب سے ایک کمرہ کی تعمیر میں حصہ لینا ان شاء اللہ صدقہ جاریہ ہوگا۔

پریس اور دفاتر کی عمارت:- پریس اور مختلف دفاتر کے لئے علیحدہ ایک عمارت بھی عرصہ سے زیر تجویز رہی ہے تاکہ دارالعلوم کی عمارت صرف تعلیمی اغراض ہی میں استعمال ہو، سارے درجات اسی میں رہیں، جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو انتشار کبھی کبھی ہوجاتا ہے وہ ختم ہوجائے، چنانچہ اس عمارت کا نقشہ بھی منظور ہوگیا ہے اور اس عمارت کی تعمیر بھی ہونا ہے۔

معہد دارالعلوم:- دارالعلوم اور خاص طور پر معہد دارالعلوم میں باوجود وسعت کے تنگی محسوس ہونے لگی ہے، امسال کثیر طلبہ کو واپس کیا گیا ہے، اسی طرح دارالعلوم میں بھی بہت سے داخلے محض انہی مجبوریوں کی بنا پر نہیں کئے جاسکے یہ صورت حال ذمہ داران دارالعلوم کے لئے باعث فکر ہے اور محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے شائقین علم دین کو واپس کرنا نیز مقیم طلبہ کی بڑھتی ہوئی دشواریاں اور ضرورتیں ان کی فکر و بے چینی میں مزید اضافہ کا باعث ہیں، علاوہ ازیں عمارتوں اور ضروری تعلیمی سامان کی کمی کی وجہ سے بہت سے مفید علمی و دینی منصوبے پوری توجہ و یکسوئی کے محتاج رہتے ہیں۔

جدید اعداد و شمار:- امسال بحوالہ حفظ، ابتدائی، ثانوی دراسات علیا اور مقامی مکاتب میں زیر تعلیم طلبہ کی ــــ مجموعی تعداد ٣٩٠٧ ہے

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس اہم ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون فرمائیں کہ ہندوستان میں علوم دینیہ کے مراکز کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

نوٹ: چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں، ہر طرح کی رقم جس مد کی ہو اس کی صراحت ضروری ہے، چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھئے:۔
ناظم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ٩٣، ندوہ لکھنؤ ٧
NAZIM NADWAT-UL-ULAMA
P. o. Box. No. 93. NADWA LUCKNOW-7

غزل

محمد خالد فیصل ندوی

نجوم و مہر و مہ و آسماں فریب آگیں
سبک خرام یہ ابر رواں فریب آگیں

بہار گلستاں، آب رواں فریب آگیں
گلوں کا حسن، نسیم جناں فریب آگیں

جمال قوس قزح کے حسین نظارے
شفق کا حسن یہ برق تپاں فریب آگیں

عیاں ہے اہل بصیرت پہ یہ حقیقت بھی
سراب و خواب ہے یہ سارا جہاں فریب آگیں

الگ الگ ہیں بھی دیکھنے میں قربت پر
مشاہدات میں یہ کہکشاں فریب آگیں

یہ زندگی نہیں انعام، ابتلا ہے یہ
بہار ہو کہ ہو دور خزاں فریب آگیں

حذر نہنگ تمنا نفس وزن و انساں سے
لرزتے ہونٹ، یہ اشک رواں فریب آگیں

تخیلات سے آگے مقام ہے جس کا
وہی ہے آج اسیر گماں فریب آگیں

فریب خوردہ ہوں کیا کیا بیاں کروں فیصل
حسین و دلکش و رنگیں جہاں فریب آگیں

اسے بھی ضرور پڑھ لیجیے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی یادگار تصنیف "پرانے چراغ حصہ دوم" سے سید عبدالرب صوفی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے کلام کے تعارف کے لئے چند اقتباسات "وہ (صوفی صاحب) دین میں مداہنت اور مروت کے بالکل قائل نہ تھے، اور کسی بات کو حق سمجھ لینے کے بعد اس سے ایک قدم پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے، الفرقان میں ان کا کلام برابر شائع ہوتا رہتا تھا...... اشعار کی روانی اور برجستگی، ترکیب و بندش کی چستی اور اصناف شاعری پر قدرت میرے لئے ایک نیا انکشاف تھا، وہ غزل، قصیدہ، نظم، مثنوی سب کہتے تھے اور ان کے اس جوہر کے مجذوب صاحب اور جگر صاحب بھی قائل تھے...... مجاہدین کے تذکرہ میں ان کی تیغ زبان کا جوہر اور واقعات کے بیان میں قوافی لشکر کی طرح امڈتے نظر آتے ہیں...... ان کے کلام پر مفصل تبصرہ، ان کے محاسن شاعری کا اظہار اور ان کی زندگی کے اس پہلو کا اجاگر کرنا اور اس کے ساتھ انصاف کسی اور فرصت اور بہتر صلاحیت کا طالب ہے۔" (پرانے چراغ حصہ دوم ص ٢٢٥ تا ص ٢٢٧)

کلام صوفی رحمۃ اللہ علیہ مجلد از سید عبدالرب صاحب قدس سرہٗ قیمت ٣٠/٠٠ (-/٤٠ Rs.)

تحریک ایمان تبلیغی جماعت کا منظوم تعارف از سید عبدالرب صاحب صوفی قدس سرہٗ قیمت ٣/٠٠

اهم سفر سفر آخرت کی فکر دلانے والے مضامین و مسائل قیمت ٥/٠٠ روپے

دعائیں اور اسلامی آداب ہر موقع کی مسنون دعائیں اور ضروریات زندگی کے اسلامی آداب قیمت ٥/٠٠ روپے

روزی میں برکت اور بلاؤں سے حفاظت کے لئے آسان رزق ٣/٠٠ آسمانی روٹی ٢/٠٠ راہ امن ١/٠٠

تذکرہ حضرت مصلح الامت رحمۃ اللہ علیہ مجلد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کی سوانح حیات۔ قیمت ٣٠/٠٠

مکاتیب اسلامیہ کے مدرسین کے لیے ہدایات اور ضروری قواعد و تجوید ١/-

گجراتی زبان سکھانے والی دینی کتابیں گجراتی تختی ١/٠٠ ایمان بال پوتھی ٢/٠٠ اسلامی پہلی چوپڑی ٥/٠٠ اقراء و ابجد ملا اول دوم ٥/٠٠

ملنے کا پتہ:- (١) محمد یونس صدیقی - مدرسہ دعوۃ الحق، کڈی، اتر گجرات
(٢) الفرقان بک ڈپوٹ - ١٣١، نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ

براہ کرم جواب طلب امور کے لئے جوابی خط ارسال کریں نیز حوالہ خریداری نمبر ضرور تحریر کریں۔ (مینجر)

عوام کو یہ بتائیے کہ

تین طلاق

ایک ساتھ دینا حرام اور گناہ کی بات اور رسولِ خدا کو ناراض کرنا ہے

طلاق بری چیز ہے اور ایک ساتھ تین طلاق دینا تو حرام ہے اور گناہ۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد دفعہ اور وقفوں میں دی جانی چاہیے۔ (سورۂ بقرہ)

حضرت اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیدی ہیں۔ تو آپ غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا میرے رہتے ہوئے اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جائے گا۔ یعنی ایک ساتھ تین طلاق دینا اللہ کی کتاب کا مذاق اڑانا ہے۔ (نسائی)

ایک شخص نے حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد نے بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیدی ہیں۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ بیوی تین طلاقوں سے بائنہ ہو گئی اور نو سو ستانوے طلاقوں کا گناہ تمہارے باپ کی گردن پر رہا۔

امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے آکر کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہ کا کام کیا اور شیطان کی پیروی کی۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے پاس جب کوئی شخص تین طلاق دے کر آتا تو اسے پیٹتے اور اس کی طلاق کو نافذ کر دیتے۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدی ہیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ وہ تین طلاقوں کے بعد تجھ سے آزاد ہو گئی اور ستانوے طلاقوں کے ذریعے تو نے اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑایا۔ (موطا امام مالکؒ)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا شیطانی کام ہے اس سے بچنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔

مسلمانو! بات بات پر طلاق نہ دیا کرو۔ ملت اسلامیہ کو شرمندگی اور ذلت سے بچاؤ تاکہ کل قیامت میں تمکو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

بقیہ مسلم پاسباں مل گئے ....

کا پردہ چاک کر رہی ہیں۔

اس طرح کے مغربی اہل قلم کے اقوال اور بیانات متقاضی تھے کہ اسلامی ملکوں میں رہنے والے دانشور اپنی مغرب پرستی سے توبہ کرلیں۔

محترمہ مریم جمیلہ صاحبہ جن کو اللہ رب العزت نے شرف اسلام سے نوازا اور علمی و فکری اعتبار سے اسلام کی توفیق مرحمت فرمائی اور ان سے پہلے استاذ محمد اسد کی تحریروں نے مغرب کے علمی و فکری حلقوں میں ارتعاش پیدا کر دیا ہے اور اس عہد کا آغاز کیا ہے جس میں مغرب کی جانب سے آنے والے بادل جو عالم اسلام پر منڈلا رہے تھے چھٹ جائیں اور ان تحریروں نے تمام پردے چاک کر دیے ہیں۔ اس کے بڑے اچھے اثرات رونما ہو رہے ہیں۔ ان دونوں کے بعد اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے دسیوں ماہرین علوم کو اسلام کی دولت ابدی سے سرفراز فرمایا، اور ان حضرات کو اپنے علوم سے خدمت اسلام کی توفیق عنایت فرمائی۔ اس طرح مغرب میں اسلام جدید طرز پر ظاہر ہونے لگا، اور ان مغربی مصنفین کے موئے قلم سے علمی تحریکات وجود میں آئیں، اور مسلمان جو اس میدان میں پیچھے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی کفایت فرمائی۔

اور یورپ میں اسلام کو وہ معاونین پیدا فرما دیے جو نہ صرف یورپین پروپگنڈے کی حقیقت بے نقاب کرتے ہیں بلکہ اہل مغرب کے لیے عام فہم اور جدید زبان میں اسلام بھی پیش کرتے ہیں۔ اور ان تصنیفات کی برکت سے عنقریب ہی ایسا کتب خانہ وجود میں آئے گا جو صلیبی جنگوں سے لیکر اب تک کے لکھے گئے لٹریچر تار پیڈو کر دیگا۔ اور دنیا کو معلوم ہوگا کہ اس کے سارے مسائل و قضیے یورپ کی گمراہ کن سامراجی علمی قیادت کی وجہ سے وجود میں آئے اور یورپ کے اقتدار کے اس عہد کو تاریخ میں ہمیشہ تاریک ترین دور تصور کیا جائے گا۔

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

سوال: مسجد کے در میں امام کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: امام کا مسجد کے در میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں بھی اندر ہوں مکروہ ہے۔

سوال: غیر اللہ کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز نہیں ہے کیونکہ نذر بھی عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں کی جا سکتی ہے۔ بحر الرائق میں ہے النذر للمخلوقات لا یجوز لأنه عبادة لا تكون للمخلوق۔

سوال: نابالغ لڑکے مردوں کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: نابالغ لڑکوں کو مردوں سے پیچھے کھڑا ہونا چاہیئے لیکن اگر تنہا ایک لڑکا ہو تو مردوں کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔

سوال: تمباکو کھانا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر تمباکو منھ میں ہو تو اوراد و وظائف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: تمباکو کھانا جائز ہے اور تمباکو کے منھ میں ہوتے ہوئے اوراد و وظائف پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: اچھے گیہوں کے بدلے میں خراب گیہوں کمی اور زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صورت مسئولہ میں کمی اور زیادتی جائز نہیں ہے۔

سوال: ایک شخص نے وصیت کی کہ میری نماز جنازہ فلاں شخص پڑھے تو کیا یہ وصیت پوری کرنا لازم ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں وصیت کا پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

سوال: ایک شخص نے بلا اجازت کسی کی طرف سے زکوٰۃ دیدی تو کیا اس کے منظور کر لینے کے بعد زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟

جواب: اگر کوئی شخص بلا اجازت کسی کی طرف سے زکوٰۃ دیدے اور بعد میں وہ منظور بھی کرے تب بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

سوال: کیا بالغ اور نابالغ دونوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب: ہاں بالغ و نابالغ دونوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ نابالغ بچہ کا باپ مالدار نہ ہو۔

سوال: اگر کسی نے نذر مانی کہ میں فلاں جگہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا اور اس نے کسی وجہ سے ان کو نہ کھلا کر دوسرے مقام کے فقراء کو کھلا دیا تو نذر پوری ہو جائیگی یا نہیں؟

جواب: صورت مسئولہ میں نذر پوری ہو جائے گی۔

سوال: اگر کسی مردہ کو بغیر غسل و کفن دیے ہوئے دفنا دیا گیا ہو تو کیا اس کو دوبارہ قبر سے نکال کر غسل و کفن دیا جائے گا؟

جواب: نہیں اسے نکالا نہ جائے گا ویسے ہی قبر پر نماز پڑھ دی جائے گی۔

سوال: اگر کسی میت کو بغیر نماز جنازہ پڑھے ہوئے دفنا دیا گیا ہو تو کب تک اسکی نماز جنازہ قبر پر پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب: اگر کسی میت کو بغیر نماز جنازہ پڑھے دفنا دیا گیا ہو تو اس وقت تک اسکی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے جبتک میت کے پھول پھٹ جانے کا خیال نہ ہو، مختلف موسموں اور مختلف مقامات کے اعتبار سے جسم کے سالم رہنے کی مدت الگ الگ ہو سکتی ہے۔

سوال: اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے بہت پریشان ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے خلع پر رضامند ہے تو اس صورت میں مرد کا کچھ رقم لے کر طلاق دینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: خلع میں اگر مرد کا قصور ہو تو اس کو عورت سے مال لینا مکروہ ہے۔

سوال: ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں پانچ سو روپے کے عوض تمہیں طلاق دیتا ہوں تو طلاق پڑ جائے گی یا نہیں؟

جواب: صورت مسئولہ میں اگر عورت مذکور رقم دینا قبول کرتی ہے تو طلاق پڑ جائے گی ورنہ نہیں۔

سوال: سلام کرتے وقت ہاتھ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: سلام کرتے وقت ہاتھ نہ اٹھانا چاہیے ہاں اگر سامع دور ہو یا کم سنتا ہو تو سلام کی آواز کے ساتھ ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔

سوال: کیا خطبہ پڑھنے کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے؟

جواب: نہیں، خطبہ حالت طہارت میں پڑھنا سنت ہے لیکن اگر کوئی شخص بلا وضو، بلکہ بلا غسل خطبہ پڑھ دے تو بھی شرط خطبہ پوری ہو جائے گی مگر ایسا کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

سوال: کیا ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہیے دوسری تیسری اور چوتھی رکعت میں بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے۔

مطالعہ کی میز پر

(تبصرے کے لیے دو نسخے ضروری ہیں)

"آداب زواج"

از:۔ مولانا ابو جود محمد الاعظمی

صفحات۔ ۱۴۰ قیمت ۸/۵۰

مقام اشاعت:۔ ادارہ تحقیقات و نشریات اسلامی مدرسہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن۔ یوپی

انسانی زندگی کی گاڑی شوہر و بیوی دو پہیوں پر چل رہی ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک پہیہ غائب ہو یا کمزور و ڈھیلا ہو تو زندگی کی گاڑی صحیح اور با مقصد منزل کی طرف نہ بڑھ سکے گی اور اشرف المخلوقات کی تخلیق کا جو مقصد ہے وہ پورا نہ ہو سکے گا۔ زندگی نہایت بے راہ روی، اخلاقی انارکی، انتشار و بدنظمی کا شکار ہوگی۔ انسان قوت بہیمہ سے مغلوب ہو کر بہیمانہ و جانورانہ زندگی گذارے گا اور سماج و معاشرہ کے سارے شعبے لاقانونیت کا شکار ہوں گے۔ ایک دوسرے کا ادب و لحاظ اور فرق مراتب جو رشتوں کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گا کہ اس سب کی بنیاد نکاح و شادی کا مقدس رشتہ ہے۔ جو شوہر و بیوی کی شکل میں وجود پذیر ہو کر زندگی کے سارے شعبوں کو باہم مربوط کر دیتا ہے۔ باپ بیٹے، ماں بیٹی، بھائی بہن، خالہ پھوپھی ساس نند، سالے بہنوئی، خسر داماد چچا بھتیجے وغیرہ کی شکل میں اگر شادی و نکاح کا مقدس رشتہ نہ ہو تو یہ سارے رشتے ناپید ہوں گے۔ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ کی پوری عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ اسی لئے شریعت اسلامی میں نکاح و شادی کو اہم و بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔ شریفانہ طریقہ پر باہم رشتہ مانگنے کی بنیاد نہ ہوتی تو ارحام یعنی رشتوں کا وجود نہ ہوتا۔

اسی لئے اللہ کے رسول نے فرمایا: جب بندہ شادی کر لیتا ہے تو اپنے نصف دین کو پورا کر لیتا ہے۔ اس کے بعد باقی آدھے دین کے بارے میں اسکو خدا سے ڈرنا چاہیئے جب نکاح و شادی کو اسلام میں یہ بنیادی حیثیت حاصل ہے بلکہ اس کو عبادت کا اونچا مقام حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ اسی اعتبار سے اس سلسلہ میں خدا و رسول کی تعلیمات بھی ہوں گی مگر حیرت و افسوس کی بات یہ ہے کہ ان تعلیمات کو فراموش کر کے ان کی جگہ رسوم و رواج نے لے لی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ کتاب قابل قدر تحفہ ہے جسکو ہر شخص کے پاس جو کچھ بھی پڑھا لکھا ہو ہونا چاہیئے کہ اس میں موصوف نے اسلام میں شادی کی اہمیت و ضرورت کے حکم خداوندی سے لیکر اس نتیجہ معاشرہ سے متعلق دوسرے جتنے شرعی احکامات ہیں ان کو کتاب و سنت کی روشنی میں بہت اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ مجلس نکاح سے لیکر شب زفاف، ولیمہ عورتیں تمہارا لباس ہیں تم عورتوں کے لباس ہو۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ ان سب باتوں کی تفصیلات جو عام طور پر ذہنوں میں نہیں ہوتیں اور خلاف شرع عمل کا ارتکاب کیا جاتا ہے سب کو کتاب و سنت کی روشنی میں بہت مہذب و شائستہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ہر موقع کی دعائیں بیان کی گئی ہیں۔ صفائی ستھرائی بناؤ سنگار کی شرعی حدود و تعلیمات ان کی اہمیت احادیث سے ان کا ثبوت بچوں کی تعلیم و تربیت، شادی کے موقع پر شریک ہونے والوں کے شرعی آداب دولہا و دلہن کو دعائیں دینا خوشی کی حدود، جہیز وغیرہ کے سلسلہ کی تعلیمات صحابہ کرام کے واقعات و معمولات کی روشنی میں غرض یہ کہ کتاب مختصر اور بہت جامع ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہمارے سماج و معاشرہ اور خاندان کے بگڑے ہوئے حالات کے سدھار میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنے ذوق تصنیف کو تسکین دینے کے لئے نہیں بلکہ وقت کی ایک ضرورت سمجھ کر کتاب لکھی ہے۔ کہیں بھی کسی تعلی یا ہمہ دانی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا ہے۔ مصنف نے خود ہی لکھ دیا ہے کہ کتاب کی ترتیب و مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں ہماری تمام کوشش دو عربی کتابوں کی مشکور و ممنون ہے۔ (۱) آداب الزفاف للشیخ ناصر الدین البانی (۲) تحفۃ العروس للشیخ محمود مہدی الاستانبولی۔

میری رائے میں یہ کتاب اصلاح و معاشرہ کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ثابت ہو سکتی ہے۔ جس کا اندازہ کتاب کے نام سے نہیں ہوتا ہے۔ بعض کتابت و طباعت کی بعض غلطیاں ہیں تو اس سے کوئی کتاب مشکل ہی سے خالی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اپنی شایان شان جزا عطا فرمائے اور اس کتاب کو مقبولیت بخشے۔

مشاہیر کے خطوط

بنام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ

انتخاب و ترتیب۔ مولوی محمد یٰسین کوپر گانوی

ناشر۔ مکتبہ فردوس مکارم نگر۔ لکھنؤ

"جیسا کہ اس مجموعہ کے پیش لفظ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اس میں ہر طرح اور ہر سطح کے خطوط جمع ہو گئے ہیں جنکا تنوع اپنے اندر بڑی دلکشی و دل کشائی، مسرت و بصیرت، حکمت و موعظت اور علم و ادب کی چاشنی رکھتا ہے۔"

ان خطوط میں ایک خدا رسیدہ شفیق و مہربان ماں کا جو ممتا میں ڈوبی ہوئی خدا و رسول کی اطاعت و محبت میں سرشار ہاں کے خطوط بھی ہیں جو اپنے جگر پارے کو خالصتاً لوجہ اللہ دین کا داعی و سپاہی دیکھنا چاہتی ہے۔ ایسا داعی جو سو داعیوں کا کام کرے ایسا سپاہی جو سو سپاہیوں کو بھی مات کرے یہ الفاظ ذرا آپ بھی پڑھیے اور اپنی اولاد کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی فکر و تمنا کیجیے۔

علی! اگر میرے سو اولادیں ہوتیں تو سب کو یہی تعلیم دیتی۔ اب تم ہی ہو اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں، اور میں دارین میں سرخرو اور نیک کام اور صاحب اولاد کہلاؤں۔ اہل علم اور علماء و مشائخ کے خطوط بھی شامل ہیں جن سے مکتوب الیہ کی محبوبیت اور مستقبل میں ان سے جو توقعات تھیں ان کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ اور قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری کا بھی مشاہدہ ہوتا خصوصاً طلبا اور سرپرستوں کے لئے اس مجموعہ کا مطالعہ ہر اعتبار سے نہایت مفید ہے۔ **

شمس الحق ندوی

(۱) تذکرہ مشاہیر کوپا گنج

از۔ مولانا محمد عثمان معروفی

صفحات ۱۶۰ قیمت درج نہیں

پتہ۔ مدرسہ جامع العلوم کوپا گنج اعظم گڑھ

مشرقی ہند میں اعظم گڑھ اور اس کے قصبات اپنے مدارس، علماء و اساتذہ اور تجارت کے ساتھ علمی سرگرمیوں کے لئے بہت مشہور ہیں اور انھوں نے ہندستان کی علمی و ادبی تاریخ میں ایک قابل تعریف کردار ادا کیا ہے۔ زیر نظر تذکرہ اعظم گڑھ کے مشہور قصبہ کوپا گنج کی گویا علمی و ملیّتی تاریخ ہے جسے مولانا عثمان صاحب معروفی نے ابو الکلام صاحب جوہر کے تعاون سے مرتب کیا ہے۔ مولانا معروفی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس کتاب میں بھی ان کا تصنیفی سلیقہ سامنے آیا ہے۔

انھوں نے قصبہ کی تاریخ کے خلا کو بہر وہاں کے علماء کے حالات سے پر کرنے کی بڑی کوشش کی ہے۔ جسے دیکھکر حیرت و مسرت کا احساس ہوتا ہے کہ یہ قصبہ اپنے مردم خیزی ہندستان کے منتخب قصبات میں شمار ہو سکتا ہے۔ مولانا اعظم اللہ صاحب اور استاذی مولانا اسلام الحق صاحب مرحوم سے جوہر صاحب کے اثر دیوبیت مفید و معلوماتی ہیں۔ اس قصبے کے مفاخر میں یہاں کے چاروں مدرسے اور فضلائے دیوبند کی کثرت، حضرت تھانوی، حضرت مدنیؒ اور مولانا وصی اللہ صاحبؒ کا اس سے تعلق بھی ہے۔ خدا کرے یہاں کے مدرسے علم و دین کی شمع روشن رکھیں اور یہ قصبہ دین و دنیا کے اجتماع کا کامیاب نمونہ پیش کرتا ہے۔ ع

ما أحسن الدين والدنيا إذا اجتمعا

مولانا معروفی اور جوہر صاحب اس علمی خدمت کے لئے قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس قصبہ کی علمی تاریخ کو اچھی طرح محفوظ کر دیا۔ اور دوسرے اہل قلم کے لئے ایک اچھی مثال قائم کی۔

(۲) درسِ قرآن

از۔ مولانا محمد یوسف اصلاحی

صفحات ۸۰ قیمت ۶ روپے

پتہ: مکتبہ ذکریٰ، رام پور، یوپی

بڑی تفسیروں کے ساتھ قرآن مجید کی مختصر تفسیروں اور منتخب سورتوں اور آیتوں کی تفسیر و تشریح پر مشتمل کتابچوں کی ضرورت اس کم فرصتی کے زمانہ میں کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مختلف اخبارات اور رسائل میں بھی تفسیری کالم قارئین کے لئے مفید ہیں۔

"ماہنامہ ذکریٰ" میں اس کے مدیر محترم کے قلم سے بھی منتخب آیات کی تفسیر شائع ہوتی رہی ہے جسے انھوں نے یکجائی طور پر شائع کیا ہے، ضروری عنوانات سے متعلق آیات کے ترجمے کے ساتھ ان کی عام فہم و مختصر تفسیر بھی کی گئی ہے جو اردو خواں اور عام تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے بہت مفید ہے۔

شمس تبریز خاں۔